لیھا تنک ہے اُس ترسے دہنی کی دھار بند

(۱۷) سپیرے

ڈیرو[1] بجا کے وہ جو اُتارے ہیں زہر مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار
آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ہلا سر زمیں پہ مار
جب مفلسی کا سانپ ہوا اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

(۱۸) طوائف

سب روزگاریوں نے دیے ایسے ہوش کھو
دیکھے نہ کوئی ناچ، نہ +++ کی سونگھے بو
روٹی نہ پیٹ میں ہو تو +[2] + + کہاں سے ہو
لیھا تنک تو مفلسی ہے کہ کا رات کو
دو دو مہینوں تک نہیں کھلتا ازار بند

(۱۹) نوچی

گر + + + نوچی ہے کسبی کی رشکِ ماہ
کوئی سوار و پی پہ رکھے اس کو خوامخواہ
کہتی ہے اُس کی نائکا بھر بھر کے سرد آہ
یارب تو جلد کھول دے روزی کی اس کی راہ
مت کام اس کا رکھ مرے پروردگار بند

(۲۰)

وہ . . . بھی مانگے ہے دل میں یہی دُعا
کچھ اچھا کھاؤں، پہنوں، جو ہو زیست کا مزا
یارب، تو میرے موتی کو جلدی سے اب چھدا
کہکر یوں، آنسو لاتی ہے آنکھوں میں ڈبڈبا
ہوں جس طرح صدف میں دُرِ آبدار بند

(۲۱)

وہ +++ بھی کہیے کیا ہیں جو اس غم سے ہیں تباہ
ایسی ہی اب جو بند رہے گی ہماری راہ
کہتی ہیں یوں وہ کر کے فلک کی طرف نگاہ
تو گھاس پھوس بڑھ کے کوئی ان کے بیچ آہ
ہو جائے گی لگی وہ سوراخ دار بند

(۲۲)

+ + + بھی دیکھ کمائی کی بندیاں
کہتی ہیں دے کے آہِ جگر کو بلندیاں
کونے میں اپنی روزی کو روتی ہیں خندیاں
مرتی ہیں، یا الٰہی، تری گندی بندیاں
ہوئے ہمارے + + + یار بند

[1] ڈمرو (یا ڈیرو) ڈگڈگی کو کہتے ہیں یعنی شیشۂ ساعت کی شکل کا ایک باجا جو بندر والوں اور سپیروں کے پاس رہتا ہے [2] الفاظ جو کسی قدر دائرۂ تہذیب سے باہر ہیں اُن کی جگہ تین ستارے بنا دیے گئے ہیں۔ بند حذف نہیں کیے گئے اس لیے کہ باعتبارِ خوبی بندش قابلِ شہرت ہیں۔

(۲۳)
+++ جو + + + کنے شب کے وقت آئے
+++ پہ ہاتھ پھیرے، نہ بوسے کو مُنھ جھکائے
غالب ہی یہ کہ دیکھ وہ + + + کو بھاگ جائے
دم مارنے کی بات نہیں، کیا کہوں میں ہائے!
++ + کا بھی کار ہوا نا بکار بند ''

(۲۴)
لذّت ہی جن کو حُسن کے نقش و نگار سے
آویں اگر وہ لاکھ طرح کی بہار سے
محبوب ہیں جو غُنچہ دہن گل عذار سے
کوئی نہ دیکھے اُن کو نظر بھر کے پیار سے
ایسے دلوں کے ہو گئے آپس میں کار بند

(۲۵) رسالہ دار
پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالہ دار
کپڑا نہ لتّا، پال[۱] نہ پرتل[۲]، نہ بوجھ بھار
گھوڑے کی ہی لگام، نہ اُونٹوں کی ہی مہار
یوں ہر مکاں میں آکے اُترتے ہیں سوگوار
جنگل میں سب جیسے دیتے ہیں لاکر اُتار بند

(۲۶)
کوئی پکارتا ہی پڑا[۳] بھیج اے خدا
کوئی کہے ہی ہاتھ اُٹھا بھیج اے خدا
اب تو ہمارا کام[۴] تھکا بھیج اے خدا''
لے جان اب ہماری تو یا بھیج اے خدا
کیوں روزی یوں ہی کی مرے پروردگار بند!

(۲۷)
محنت سے ہاتھ پانوں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہی رو رو کے ہائے ہائے!
بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے؟
آتا ہی ایسے حال یہ رونا ہمیں تو ہائے
دُشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

(۲۸) خادم، بامن، نام، پیرزادے
آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ
بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

(۲۹) فقیر بھکاری
اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ
بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ''
جس گھر میں جا سُوال وہ کرتے ہیں خوامخواہ
واں سے صدا یہ آتی ہی ''پھر مانگو'' جب تو آہ!

[۱] چھوٹا خیمہ جو اکثر سپاہی رکھتے ہیں [۲] سوار کا سامان سفر جو بیل یا ٹٹو پر چلتا ہے، ایسے ٹٹو کو پرتل کا ٹٹو کہتے ہیں [۳] کام تھکا یعنی کام چلنے سے رہ گیا۔ اب کام نہیں چلتا۔

کرتے ہیں ہونٹھ اپنے وہ ہو شرمسار بند

(۳۰)
کیا چھوٹے کام والے، و کیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج، ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے ہو بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب
اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ "یا نصیب!
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند"

(۳۱)
قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لیتے جاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ، تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کواڑ کو اک آہ مار بند

(۳۲)
دیکھے ہیں بند اپنے جو وہ کاروبار کو
سودا سا ہو گیا ہے ہر اک دل فگار کو
یا ننگ تو بیچو اسی ہے ہر بیقرار کو
جو ++ میں جھول کے دھوتی ازار کو
کھوتے ہیں انگرکھے کے کھڑا بار بار بند

(۳۳)
کیوں کر بھلا نہ مانگیے اس وقت سے پناہ؟
محتاج ہو جو پھرنے لگے دربدر سپاہ
یا ننگ امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ
جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ!
وہ دوڑتے ہیں اوروں کے، پکڑے، شکار بند

(۳۴)
ہے جن سپاہیوں کنے بندوق اور سنان
کندے کا اُن کے نام، نہ چلے کا ہے نشان
چاندی کے بند، تار تو پیتل کے ہیں کہاں؟
لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے، ہاں
رسّی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

(۳۵)
جو گھوڑا اپنا بیچ کے زین کو گرو رکھیں
یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
ٹکا جو بکتا آوے تو کیا خاک دے کے لیں
جب بیش قبض تک کے پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ پچھے دار بند

(۳۶)
جتنے سپاہی یاں تھے نہ جانے کدھر گئے
دکھن کے تئیں نکل گئے، یا پیشتر گئے
ہتھیار بیچ، ہو کے گداگر بکھر گئے
جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں دربدر گئے

پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہیں کٹا ربند

(۳۷)
ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانا ہے
تنخواہ نہ طلب ہی نہ پینا نہ کھانا ہی
روٹی سوار کو ہی، نہ گھوڑے کو دانا ہی
پیادے دوال بند[1] کا پھر کیا ٹھکانا ہی ؟
ور ور خراب پھرنے لگے جب نقار بند

(۳۸)
جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانجات
کس کس کے دکھ کو روئیے، اور کس کی کہیے بات
سب پر پڑی ہی آن کے روزی کی مشکلات
روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہی پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

(۳۹)
ہی کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں ؟
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوے رہگذار بند

(۴۰)
ہیں باغ جتنے یاں کے سوا ویسے پڑے ہیں خوار
سوکھے ہوے کھڑے ہیں درختان میوہ دار
کانٹے کا اُن میں نام نہیں، پھول در کنار
کیاری میں خاک دھول، روش پر اڑے[2] غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہی بہار بند

(۴۱)
دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہی اُجاڑ سا
آواز قمریوں کی، نہ بلبل کی ہی صدا
غنچہ، نہ پھل، نہ پھول، نہ سبزا ہرا بھرا
نہ حوض میں ہی آب، نہ پانی ہی نہر کا
چادر پڑی ہی خشک، تو ہی آبشار بند

(۴۲)
بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ
ہوتا ہی باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ
پھوٹی حویلیاں ہیں، تو ٹوٹی شہر پناہ
وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اُجڑے، آہ!
جس کا نہ باغباں ہو، نہ مالک، نہ خار بند

(۴۳)
کیوں، یارو، اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا؟
جو ہی سو اس ہوا میں دِوانہ سا ہو رہا
جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
سودا ہوا مزاج زمانے کو، یا خدا

[1] سپاہی جس کی کمر میں دوالی یعنے چرجلے کا تسمہ بندھا ہو۔

Margin notes: [1] دوالی بند — [2] اُڑے

توہو حکیم۔ کھولدے اب اِس کے چار بند

(۴۴) دعا

ہو میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر
سب کھاویں، پیویں، پانو رکھیں اپنے اپنے گھر

وہ آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر

کُھل جاویں ایکبار تو سب کاروبار بند

(۴۵) خاتمہ

عاشق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے

مُلّا کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے

اسواسطے یہ اُسنے لکھے پانچ چار بند

تیسرا باب
فطرت

پہلی فصل۔ مدارجِ عمر

نظم نمبر ۴۹
طفلی ا

(تضمین)

(۱)

کیا دن تھے، یارو وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے
چوٹی کوئی رکھالے بدھی کوئی پنھالے

نکلے تھی دائی لیکر، پھرتی کبھی دوالے
ہنسلی گلے میں ڈالے، منّت کوئی بڑھالے

موٹے ہوں یا کہ دُبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

(۲)

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے، ننگے پھرے تو کیا ہے

آگا بھی کُھل رہا ہے، پیچھا بھی کُھل رہا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور وُوں بھی واہ وا ہے

کچھ کھالے اسطرح سے، کچھ اُسطرح سے کھالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

(۳) مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن کا غم نہ کرنا — نی جاوے کچھ بگڑنا نی جانے کچھ سنورنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا[1] — جس بات پر یہ مچلے پھر وہ ہی کر گذرنا

(حاشیہ: اُن کو — قید یا گھر نا)

ماں اوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

(۴) جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے[2] ہیں — گڑ بیر، مولی گاجر لے منہ میں گھونٹتے[3] ہیں
بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں — گردوں میں اٹ رہے ہیں، خاکوں میں لوٹتے ہیں

(حاشیہ: بھونتی)

کچھ مل گیا سو پی لے، کچھ بن گیا سو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

(۵) جو اُنکو دو سو کھالیں، پھیکا ہو، یا سلونا — ہیں بادشہ سے بہتر، جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہی اُنکو سونا — پروا نہ کچھ پلنگ کی، نی چاہیے بچھونا

بھونپو کوئی بجالے، پھرکی کوئی پھرالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

(۶) یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے — یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشا بھی کیا ہے — اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے:

(حاشیہ: الغرض — اور)

جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

---

[1] گھرنا اگر قیہ کی رعایت سے بالکسر پڑھیں تو قافیہ ناقص رہتا ہے — ممکن ہے کرہانا کی طرح قدیم لفظ گھرنا ہو۔ گھرنا! فتح کے معنی لغت میں نفرت — ملامت — اور شرم کے لکھے ہیں لیکن وہ نامانوس اور غیر متعارف لفظ ہے — اور نظیر نے غالباً اس کا استعمال اس صاف و شفاف نظم میں نہ کیا ہوگا۔ [2] ہاتھ اوٹنا ہاتھ پھیلانا [3] گھونٹنا نگل جانا۔

نظم نمبر ۵

طفلی ۲

تضمین

(۱)
کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے!
پانوؤں میں کالے ٹیکے، ہاتھوں میں نیلے ڈورے
ہر آن آنچلوں سے معمور تھے کٹورے
یا چاند سی ہو صورت، یا سانورے و گورے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۲)
گُل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
ماں باپ اُن کی خدمت سر پر قبولے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے، جھولوں میں جھولتے تھے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۳)
نے دوستی کسی سے، نے دل میں ان کے کینا
نے گرمیوں سے واقف، نے جانتے پسینا
جانیں نہ بے قرینا، نے سمجھیں کچھ قرینا
چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش اُن کو دودھ پینا
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۴)
جو دیکھے اُن کی صورت نے پیار سے کھلاوے
چومے کبھی دہن کو، چھاتی کبھی لگاوے
ہاتھوں اُوپر اُچھالے، اور چھیڑ کر ہنساوے
کوئی چسنی منہ میں دیوے، کوئی جھنجھنا بجاوے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۵)
چھوٹا سا کوئی اُن کا کُرتا نکالتا ہے
ماں دودھ ہے پلاتی، اور باپ پالتا ہے
یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنبھالتا ہے
نانا گلے لگاوے، دادا اُچھالتا ہے
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

(۶)
کیا عمر ہے، عزیزو! اور کیا یہ وقت ہے گا!
پانوؤں چلے تو واں سے پھر اور پیار ٹھہرا
جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
سب زندگی کا خط ہے اُن کو نظیر، آہا ہا!
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے!

نظم نمبر ۱۵

جوانی

گرہ بند

(۱)
کیا عیش کی رکھتی ہے سب آہنگ جوانی؟ کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے اور بنگ جوانی کرتی ہے کہیں صُلح، کہیں جنگ جوانی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۲)
اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا جو ہر کہیں عاشق، کہیں رسوا، کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے، کہیں دل ہے تڑپتا مرتے ہیں، سسکتے ہیں، بلکتے ہیں اہاہا!
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۳)
نے مے کا نہ معجون کے منگوانے کا کچھ غم نہ دل کے لگانے کا نہ گُل کھانے کا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے لڑانے کا کچھ غم ہنسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانے کا کچھ غم
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۴)
لڑتی ہے کہیں آنکھ، کہیں دست، کہیں سین[1] چھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہے لگے نین
وعدہ کہیں، اقرار کہیں، سین کہیں نین نے جی کو فراغت ہے، نہ آنکھوں کے تئیں چین
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۵)
اُلفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ

[1] نگاہ

ساقی ہو صراحی ہو، پریزاد ہیں ہمراہ — کیا عیش ہی کیا عیش ہی کیا عیش ہی واللہ[۱]

اِس ڈھب سے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

(۶)
چھرے یہ جوانی کا جو آکر ہو چڑھا نُور — رہجاتی ہیں پریاں بھی غرض اُس کے تئیں گھُور
چھاتی سے لپٹتی ہو کوئی حُسن کی مغرور — گودی مین پڑی لوٹتے ہو چنچل سی کوئی حُور

اِس ڈھب سے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دِکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

(۷)
گر رات کسی پاس رہے عیش میں غلطاں — اور واں سے کسی اَور کے ملنے کا ہو دھیان
گھبرا کے اُٹھے جب، تو گرے پاؤں پہ ہر آن — کہتی ہو "نہیں ہمیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جان؟" یہ بیت

اِس ڈھب سے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

(۸)
رستے میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں — وہ شوخ کہ ہوں بند جنھیں دیکھ کے راہیں
کھانسے ہو کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہیں آہیں — پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں

اِس ڈھب سے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

(۹)
ہنستے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال — جو پا نہیں راہ، کہیں سیف، کہیں ڈھال
کھینچے ہیں کہیں بال، کہیں توڑ لیا گال[۲] — چڑھ بیٹھے کہیں، ہاتھ کہیں مُنھ کو دیا ڈال

[illegible]

اس ڈھب سے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

۱۔ یہ مصرع جرأت کی تقلید میں ہو۔ اُس کی ایک مشہور غزل ہو جس کا مقطع یہ ہو۔ جرأت کی غزل جس نے سنی اُس نے کہا واہ + کیا بات ہو کیا بات ہو کیا بات ہو واللہ

۲۔ گال توڑنا فرطِ شوق میں گال کاٹ لینا اس شعر کو ڈاکٹر فیلن نے اپنی ڈکشنری میں یوں نقل کیا ہو۔ یہ ٹانگ گھسیٹے ہو تو وہ کھینچے پکڑ بال + وہ ہاتھ مروڑے تو یہ توڑے گال + [illegible]

(۱۰) طوائف

جاتے ہیں طوائف میں، تو واں ہوتی ہے یہ چاؤ
کوئی کہتی ہے: یاں بیٹھو! کوئی کہتی ہے "یاں آؤ"
کہتی ہے کوئی: اُن کے لیے پان بنا لاؤ"
ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۱)

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی
چتون کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی
مستی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
کرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۲)

کہتی ہے کوئی "رات مرے پاس نہ آئے"
کہتی ہے کوئی "کس نے تمھیں پان کھلائے؟"
کہتی ہے کوئی "ہمکو بھی خاطر میں نہ لائے"
کہتی ہے کوئی "گھر کو جو جائے ہمیں کھائے"
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۳)

گر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ
جوں باز کہ چڑیا کو کہیں داب لے ناگاہ
اور نازنیں کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
چھوا دے لپٹ کر وہیں... سے اوئی آہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۴)

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا یا کوئی جھاڑ
انگیا کے تئیں چیر کے کرتی کو لیا پھاڑ
جا شوخ سے جھٹ لپٹے یہ پنجوں کے تئیں جھاڑ
اخلاص کہیں پیار، کہیں مار، کہیں دھاڑ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۵)
کیا تجھ سے نظیرؔ اب میں جوانی کی کہوں بات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات
اس پن[1] میں گذرتی ہو عجب عیش سے اوقات
سیریں ہیں، بہاریں ہیں، تواضع ہو، مدارات

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہو اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہو عجب رنگ جوانی

نظم نمبر ۲[2]

پیری[3]

گرہ بند

(۱) عیش جوانی
کیا قہر ہو، یارو، جسے آجائے بُڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں، غم لائے بُڑھاپا
اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بُڑھاپا
ہر کام کو، ہر بات کو ترسائے بُڑھاپا

سب چیز کو ہوتا ہو بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲)
جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی پہر
اب آکے بُڑھاپے نے کیا ہائے! یہ کچھ قہر
چھاتی سے لپٹتے تھے، محبت کی جتا لہر
اب جن کے کنے جاتے ہیں، لگتے ہیں انھیں زہر

سب چیز کو ہوتا ہو بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳)
آگے تو پری زاد یہ رکھتے تھے ہمیں گھیر
سو آکے بُڑھاپے نے کیا ہائے! یہ اندھیر
آتے تھے چلے آپ، جو لگتی تھی ذرا دیر
جو دوڑ کے ملتے تھے، سو اب لیتے ہیں منھ پھیر

---

[1] پن: عمر۔ زمانہ۔ عمر کے چار درجے ہیں: لڑکپن۔ جوانی۔ اَدھیڑ پن۔ بُڑھاپا۔ ان میں سے ہر ایک درجے کو پن کہتے ہیں۔ مثل: جب سب پن ہارا تو کمائی پنہاری۔ یعنے جب رذل عمر کو پہنچی اور کسی مصرف کی نہ رہی تو ہار کر پنہاری کا پیشہ اختیار کیا۔ اور پانی بھرنے لگی۔ [2] یہ نظم نظیر کی بہت ہی ممتاز نظموں میں ہے اور اس کی شہرت یورپ تک پہنچ گئی ہے۔ یہی نظم سراپے پیری اور بڑھاپانامہ کے ساتھ بھی ملتی ہے۔ چنانچہ لفرنلد سے موسیو دی تاسی اپنی فہرست میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ [3] مطبع احمدی کے نسخے میں اس شعر کے بدلے تیسرے بند کا دوسرا شعر نقل ہو گیا تھا جس سے قافیوں میں سخت عیب پیدا ہو گیا۔ مطبع نول کشور کے متداول نسخے میں قافیوں کی تصحیح میں تو کوشش کی گئی مگر

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۴)
تھے جب تلک ایّامِ جوانی کے ہرے رُوکھ
بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُوکھ
محبوب وہ ملتے تھے انھو دیکھ جنھیں بھوکھ
اب کیا ہی، جو پت جھڑ ہوا اور جڑ ہی گئی سوکھ؟ (بھی)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۵)
آ گے تھے جہاں گلبدن اور یوسفِ ثانی
مرجائیں تو اب مُنھ میں نہ ڈالے کوئی پانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
کس دُکھ میں ہمیں چھوڑ گئی؟ ہاے جوانی! (آتے)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۶)
یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام
ان سب میں جو دیکھوں تو نہیں ایک کا اب نام
اور جام، دل آرام، مزے، عیش اور آرام
کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایّام! (دیکھو)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۷)
مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے
ہم اُن کے تئیں دُور سے ہیں رشک سے تکتے
چُہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پریرو ہیں جھمکتے
وہ عیش و طرب کرتے ہیں، ہم سر ہیں پٹکتے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۸)
اب پاؤں پڑیں اُن کے تو ہر گز نہ بُلاویں
اتنا تو کہاں اب جو کوئی جام پلاویں؟
جا بیٹھیں تو اک دم میں خفا ہو کے اُٹھاویں
گر جان نکلتی ہو، تو پانی نہ چُواویں

[۱] پت جھڑ کو فرہنگِ آصفیہ میں مونث لکھا ہی گو کوئی سند نہیں دی۔ فارلس بھی مونث ہی لکھتا ہی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(۹)
جب عیش کے مہمان تھے، اب غم کے ہوئے ضیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ، اُٹھا سیف
اب خونِ جگر کھاتے ہیں جب پیتے تھے سو کیف
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں، صد حیف

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۰)
تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے
اب آ کے بُڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے
وہ کون سے گُرو تھے جو ہم نے نہیں گھورے
پر جھڑ گئے، دُم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۱)
کیا، یارو، اُلٹ، ہائے، گیا ہم سے زمانا!
چھیڑے ہے کوئی، ڈال کے دادا کا بہانا
جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کے نشانا
ہنس کر کوئی کہتا ہے: "کہاں جلتے ہو نانا؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۲)
پوچھیں جسے کہتا ہے وہ، "کیا پوچھے ہے بُڈھے؟"
بیٹھیں تو یہ ہو دھوم: "کہاں بیٹھے ہے بُڈھے؟"
آویں تو یہ غُل ہو کہ کہاں آوے ہے بُڈھے؟
دیکھیں جسے کہتا ہے وہ: "کیا دیکھے ہے بُڈھے؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۳)
کیا، یارو، کہیں؟ گو کہ بُڑھاپا ہے ہمارا
جب بُوڑھا، ہمیں، ہائے! بتاں کہہ کے پکارا
پر بُوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا

۱۔ بند ۹ متداول نسخوں میں نہیں ہے ۲۔ مہمان ۳۔ نشہ ۴۔ بند ۱۰-۱۲ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہیں۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۴)
خوباں میں اگر جاویں، تو ہوتی ہے یہ پھکڑی
موچھیں کہیں تتّی کے لیے جاتی ہیں پکڑی
کھینچے ہے کوئی ہاتھ، کوئی پکڑے ہے لکڑی
ڈاڑھی کو پکڑ کھینچ، کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۵)[1]
کہتا ہے کوئی: "چھین لو اُس بوڑھے کی لاٹھی"
اتنی کسی کافر کو سمجھ اب نہیں آتی
کہتا ہے کوئی شوخ کہ "ہاں کھینچ لو ڈاڑھی"
کیا بوڑھے جو ہوتے ہیں، تو کیا اُن کے نہیں جی؟

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۶)
اک وقت وہ تھا، ہم بھی مزے کرتے تھے گِن گِن
اک وقت یہ ہے ہائے! جو سب کرتے ہیں اب گِھن
محبوب پریزاد نہ رہتے تھے سلے بِن
یا ایک وہ ایام تھے، یا ایک یہ ہیں دِن

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۷)
کند ہم جنس باہم جنس پرواز کا عملی بطلان
بوڑھوں میں اگر جاویں، تو لگتا نہیں واں دل
محبوبوں میں جاویں، تو وہ سب چھیڑیں ہیں مل مل
واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۸)
پنگھٹ کی سیر
پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے:
تو واں بھی لگی ساتھ ہی خواری گئی ہے
لو دیکھو، بُڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے"

[1] بند ۱۵-۱۶ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہیں

(حاشیہ: نسخۂ [illegible])

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۱۹)[1] تکلفِ لباس

پگڑی ہو اگر لال گلابی تو یہ آفت
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے، کہ شکل پہ رحمت
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے: "کیا خوب ہے رنگت!"
"لاحول ولا، دیکھیے بوڑھے کی حماقت"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۰) بیاہ شادی کی شرکت

گر بیاہ میں جاویں تو یہ ذلّت ہے اُٹھانا
رندوں میں اگر جاویں، تو مشکل ہے پھر آنا
چھٹتے ہی بنے باپ نکاحی کا نشانا
افسوس! کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۱) زنانوں کا سلوک

ہے چھانولی، تالی کا زنانوں میں جو چرچا
ڈاڑھی کی جگت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا
گر اُن میں کبھی جاویں، تو ہے یہ ستم آنا
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے: "آ، آ مرے دادا"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۲) دریا کا تماشا

دریا کے تماشے کو اگر جاویں تو، یارو،
اور ہنسکے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخو
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے: "جاتے ہو کہاں کو؟
"کیوں خیر ہے! کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۳)[2]

گر آج کو ہوتے وہ جوانی کے زمانے
مشکل ابھی پڑ جاتی انھیں پیچھے چھڑانے
قُدرت تھی جو یوں چھیڑتے بھڑوے و زنانے
اک دم میں ابھی لگتے وہ ہی ہائے اُمچانے

۱؎ بند ۱۹-۲۰ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہیں ۲؎ بند ۲۳ بھی متداول نسخوں سے مفقود ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۴) محفل رقص کی شرکت

گر ناچ میں جاویں، تو یہ حسرت ہے ستاتی
اوروں کی طرف جاوے، تو آنکھیں ہے لڑاتی
جو ناچے ہے کافر، وہ نہیں دھیان میں لاتی
پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۵) نائکا کا سلوک

گر نائکا اُن میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی
پھیکی سی پُرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی
البتہ بڑھاپے پہ ہے کُچھ رحم وہ لاتی
پر قہر ہے وہ ہم کو ذرا خوشش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۶) کسبیوں کا سلوک

چکلے کے جو اندر کی وہ کہلاتی ہیں کسبی
مُنھ دیکھتے ہی کہتی ہیں "سب آؤ بڑے جی"
گر اُن میں کبھی جاویں، تو ہوتی ہے خرابی
کیا آئے ہو یہاں کرنے کو پیری و مُریدی؟

بان

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۷) طوائف کا سلوک

گر جاویں طوائف میں تو لگتی ہیں سُنانے:
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے
کیا آئے حضرت ہمیں قرآں پڑھانے؟
ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۸)[لہ]

گو جھک کے کمر پاؤں سے سر آن لگا ہے،
کہتے ہیں سب جسے: "ہم کو یہ ارمان لگا ہے"
پر دل میں تو خوباں کا وہی دھیان لگا ہے
کہتا ہے وہ: "کیا بوڑھے کو شیطان لگا ہے!"

لہ بند ۲۸ بھی متداول نسخوں سے غائب ہے۔

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے، بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۲۹)
نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے
ڈاڑھی کے کنے اُنگلی کو لالا کے نچاوے
چل کر کوئی کُبڑے کے طرح قد کو جُھکاوے
یہ خواری تو اللہ کسیکو نہ دکھاوے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے، بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳۰)[1]
تھے جیسے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے، وہ جھمکے
ویسے ہی بڑھاپے میں چھٹے آن کے چھکے
اب عیش جوانوں کو ہیں، اور بوڑھوں کو دھکّے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے، بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳۱)
خضاب مصنوعی زینت
گر حرص سے ڈاڑھی کو خضاب اپنی لگاویں
گو مکر سے ہنسنے کے تئیں دانت بندھاویں
جُھری جو پڑی مُنہ پہ اُسے کیونکہ مٹاویں
گردن تو پڑی ہلتی ہے، کیا خاک چھپاویں!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے، بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳۲)
بُوڑھے ہوئے، پر حُسن کی چاہت نہیں چُھٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی اُلفت نہیں چُھٹتی
آنکھوں سے یہ دیدار کی لذّت نہیں چُھٹتی
سب چُھٹ گیا، پر دید کی یہ لت نہیں چُھٹتی
لذت

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے، بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳۳)[2]
جوانوں کو نصیحت
سُنتے ہو، جوانو؟ یہ سخن کہتے ہیں تم سے
جاوے گی جوانی، تو پھر افسوس کروگے
کرنے ہوں جو کر لو وہ مزے عیش و طرب کے
تم جیسے ہو، ویسے تو کبھی ہم بھی جواں تھے

[1] بند ۳۰ - ۳۱ بھی متداول نسخوں سے مفقود ہیں [2] بند ۳۳ بھی نہیں ہے۔

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۳۴) معشوقوں کو نصیحت

اب جتنے ہو معشوق، یہ سب یاد رکھو بات
محبوبو! غنیمت ہی جوانی کی یہ اوقات
جو ہو سو کرو چاہنے والوں کی مُدارات
جب بُوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے دو پات[۱]

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۳۵)[۲]

اب جس سے رہیں صاف، تو ہوتا ہی وہ گدلا
اس چرخِ ستمگار نے سینے میں حسد، لا
اللہ نہ دکھلاوے کسی کو یہ ملولا[۳]
کیا ہم سے جوانی کا لیا، آہ یہ بدلا!

(ن: بلدلا)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۳۶)

تھے جیسے جوانی میں پیئے جام سبو کے
جب آ کے گلے لگتے تھے محبوب بھبو کے
ویسے ہی بُڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
اب کیسے تو بُڑھیا بھی کوئی مُنھ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

(۳۷)

یہ ہونٹھ جو اب پوپلے، یارو، ہیں ہمارے
ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے
ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے
اور اب تو چڑیل آن[ن] کے اک لات نہ مارے

(ن: آکے بھی)

سب چیز کو ہوتا ہی بُرا، ہاے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بُڑھاپا

۱؎ محاورہ ہی ڈھاک کے تین پات۔ مگر نظیر نے یہاں بضرورتِ شعر تصرف کر لیا ہی اور بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ ۲؎ بند ۳۵ بھی متداول نسخوں میں نہیں ہی۔ ۳؎ قافیے اور تین مصرعوں میں بہت چُستی سے آئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی ویسی ہی چُست ترکیب ہو۔ میرے خیال میں ملولا کی جگہ "ابلدلا" ہی یعنی خدا کسی کو ایسا شہر لا کر نہ دکھلاے جس میں سب بر سرِ پرخاش ہوں۔

(۳۸)
تھے[1] جیسے جوانی کے چڑھے زور میں سر[2] شخ
نکلا ہوا تن سوکھ، روئی بال، رنگین نخ
ویسے ہی بڑھاپے کی پڑی آن کے اب پخ
حلوا ہوئے چرخا ہوئے، لپسی ہوئے، چرخ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

(۳۹)
محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے
ہنس ہنس کے پریزادوں سے لڑنا نہیں بھولے
ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے
وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۴۰)
کیا دَور تھا سر دُکھنے کا ہوتا تھا صد[3] افسوس
اب مر بھی اگر جاویں، تو ہوتا ہے کد[4] افسوس؟
ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا صد افسوس
افسوس! صد افسوس!! صد افسوس!!! صد افسوس!!!!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۴۱)
جب جان کے بوڑھا ہمیں چھیڑیں ہیں یہ دلخواہ
اُسوقت تو ہم یار و دمِ سرد سے بھر آہ
اور چھیڑ کے مجلس سے اُٹھاتے ہیں با کراہ
رو رو کے یہی کہتے ہیں ہے[5] اب کیوں، ہرے اللہ[6]

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۴۲)
گر ہوتی جوانی، تو ابھی دھوم یہ مچتی
چھاتی سے لپٹ، دم میں کڑک ڈالتے پسلی

[1] بند ۳۰ سے ۴۳ تک بھی متداول نسخوں میں مفقود ہیں [2] شخ فارسی میں ایک تو شاخ کا مخفف ہے۔ دوسرے زمین سخت اور سرکوہ کو کہتے ہیں چنانچہ قاآنی کہتا ہے:- بہ طفلِ شگوفہ ہیں کہ برنامدہ زشخ ÷ وہ موئیش از عذار برنگِ سفید نخ ÷ چو پیرے بکود کی سپیدش شود زنخ ÷ ور اموئے ہچو برف دمد ہر نفس چو یخ ÷ کہ زودش سپید کرد سپہر سیاہ کار ولہ فلک تازہ مہ سیرہ گر کوب وشخ بر ÷ کم آسائے و پر تاب و رہپوے و رہبر ÷ یہاں دونوں معنی منطبق ہیں سرِ شاخ پر یا سرِ کوہ پر [3] جس زمانے میں جب کی قدیم شکل [4] بے انتہا [5] کب کی قدیم شکل۔

جب کُرتی و انگیا کی اُڑا ڈالتے دھجی　　پر کیا کریں، یارو، کہ بُڑھاپے نے بُری کی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۴۳) وہ جوش نہیں، جسکے کوئی خوف سے ڈہلے　　وہ زعم نہیں، جس سے کوئی بات کو سہلے
جب پھوس ہوئے ہاتھ، تھکے پاؤں بھی پہلے　　پھر جسکے جو کچھ شوق میں آوے سو ہی کہلے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا، ہائے بُڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

(۴۴) کرتےؔ تھے جوانی میں تو سب آپ سے آچاہ　　اور حُسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
یہ قہر بُڑھاپے نے کیا آہ! نظیرؔ آہ!　　اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا!
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

نظم نمبر ۳۵

بُڑھاپے کی تعلیاں

تضمین

(۱) جو نوجواں ہیں اُن کے دل میں گُمان کیا ہے؟　　جو ہم میں کس ہے اُن میں تاب و توان کیا ہے؟
بوڑھا ادھیڑ، امکا ڈھمکا، فلان کیا ہے؟　　ہم سے جو ہو مُقابل پٹھے میں جان کیا ہے؟

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

(۲) ہر وقت دل ہمارا اُگدر ہی بھانتا ہے　　تیر اب تلک ہمارا تو دے ہی چھانتا ہے
ہر شوخ گُلبدن سے گھری ہی چھانتا ہے　　اس بات کو ہماری اللہ ہی جانتا ہے

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے؟

لہ مطبع صفدری کے نسخے میں اس نظم کے ۴۳ ہی بند تھے۔ جھانولی تالی والا بند (بند ۲۱) اس میں زیادہ ہے۔

(۳)
چاہیں تو گھورڈالیں سو خوبرو کو دم میں
سینہ بھڑک رہا ہو خوباں کے درد و غم میں
اور میلے چھان ماریں، وہ زور ہو قدم میں
پٹّھوں میں وہ کہاں ہیں؟ جو گرمیاں ہیں ہم میں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہو؟

(۴)
دُبلے ہوے ہیں ہم تو خوباں کے درد و غم سے
مونچھیں سُفید کی ہیں اس ہجر کے ستم سے
اور جھریاں پڑی ہیں اُن کے غم و الم سے
بوڑھا ہمیں نہ جانو اللہ کے کرم سے

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہو؟

(۵)
کوئی بھی بال تن پر میرے نہیں ہو کالا
اگر جوان مقابل ہووے کوئی ہمارا
خوباں کے درد و غم کا اپنر پڑا ہو پالا
خالق سے ہو یقیں یہ دکھلاے وہ بھی پچھا

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہو؟

(۶)
جب ... سروں میں تیل اور پھلیل ڈالیں
ہم بھی جب اُن سے، یارو، ملنے کا میل ڈالیں
اور کنگھی چوٹی کر کر ہم سے جھمیل ڈالیں
دو چار کو لتاڑیں، دس پانچ کھیل ڈالیں

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہو؟

(۷)
اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آ کر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں زور جا کر
اور جھریاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
رُستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر

اب بھی ہمارے آگے، یارو جوان کیا ہو؟

(۸)
ہم اور جوان مل کر گر دل کے تئیں لگاویں
جا کر اُنھوں کے گھر پر جب زور آز ماویں
اور اپنے اپنے گل سے ملنے کی دل میں لاویں
وہ گرد دیوار کو دیں ہم کوٹھا پھاند جاویں[۱]

اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہو؟

(۹)
جاتے ہیں روز جتنی خوباں کی بستیاں ہیں
سو سو طرح کی چُہلیں جی میں اُکستیاں ہیں
ہر آن دیدبازی اور بُت پرستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں، کیا عیش مستیاں ہیں

[illegible]
مدّ آل

[۱] انشا کا یہ شعر اس مقام کے حسب حال ہو گویا مضمون لڑ گیا ہے ؎ کوود کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا • جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا۔

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہی؟

(۱۰)
جو ہم کو جانے بُوڑھا، سو وہ ہی شیخ چلّی
ہاتھی کو داب بیٹھیں، جیسے چُھچے کو بلّی
ہم چھیڑ ڈالیں اب بھی خوباں کو کر کے کھلّی
رستم سے اک گھڑی میں مچوا دیں تو بہ تلّی

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہی؟

(۱۱)
. . . کا خوب بھر دیں جتنا مکاں ہی اُونڈا[۱]
ہر نازنیں چھپے ہی - ہر شوخ ہی کنونڈا
. . . تو ایسے جیسے کھا ڈالے کوئی پونڈا
نہ رہنے پاوے . . . نہ رہنے پاوے . . .

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہی؟

(۱۲)
دنیا میں طاقت اپنی مشہور اسقدر ہی
جنگل میں ہاتھی، چیتا یا کوئی شیر نر ہی
کوچوں میں اور مکاں میں دیکھو جدھر اُدھر ہی
ہر اک کے دل میں اپنا ہی خوف اور خطر ہی

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہی؟

(۱۳)
کرتے ہیں ہم جو یارو اب دھوم اور دھڑکّے
پیتے ہیں مے کے پیالے چلتے ہیں مار دھکّے
دیکھے جوان تو اُس کے چھُٹ جائیں دم میں چھکّے
کیا کیا نظیرؔ ہم بھی کرتے ہیں اب جھکّے

اب بھی ہمارے آگے، یارو، جوان کیا ہی؟

نظم نمبر ۵۴

بُڑھاپے کی عاشقی

پیرِ جواں طبع

(گرہ بند)

(۱)
قائم ہی جسم، گو کہ نہیں کَس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے، دس غنیمت است
جیتے تو ہیں، اگرچہ نہیں بس غنیمت است
وقتِ خزاں چو گل نبود خس غنیمت است

پیری کہ دم زِ عشق زند بس غنیمت است
وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

[۱] اُونڈا - گہرا - عمیق -

(۲)
کرتے ہیں اس بُڑھاپے میں خوباں کی ہم تو چاہ
اور وہ جو کچھ شعور سے رکھتے ہیں دستگاہ
احمق ہیں خوبرو، جو وہ ہنستے ہیں ہم پہ، آہ!
سُو وہ تو ہم کو دیکھ یہ کہتے ہیں "واہ واہ!
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

رسم واہ

(۳)
جن دلبروں سے یارو ہم اب دل لگاتے ہیں
بوسہ بھی ہم کو دیتے ہیں، مے بھی پلاتے ہیں
وہ سب ترس ہمارے بڑھاپے پہ کھاتے ہیں
اور راہ منصفی سے یہ کہتے بھی جاتے ہیں
"پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

(۴)
نے تن میں اب ہے زور نہ چلتے ہیں دست و پا
اس وقت میں بھی عشق کو رکھتے ہیں جابجا
اور جھکتے جھکتے سر ہے قدم ساتھ آ لگا
کیوں یارو سچ ہی کہیو، یہ انصاف کی ہے جا
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

(۵)
روئے جو ہم چمن میں سحر بیٹھکر ذرا
اُس نے کہا کہ اُسکا کسی سے ہے دل لگا"
بلبل سے پوچھا گل نے کہ "وہ بوڑھا یہ کیوں رویا"
جب گل نے ہم کو دیکھ کے ہنسکر یہی کہا:
"پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

(۶)
طاقت بدن میں کہیے، تو اب نام کو نہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم وہیں!
ہوتا ہے اب بھی سیر، تماشا اگر کہیں
جو ہم کو دیکھتا ہے، وہ کہتا ہے: "آفریں!
پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"

(۷)
کل میکدے میں ہم جو گئے باقدِ دوتا
اور پی شراب، لوٹ گئے شور و غل مچا

	اُس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلا	ہنس ہنس کے جب تو پیرِ مغاں نے یہی کہا	
	"پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"		
(۸)	پیارے تمھارے اور تو عاشق ہیں نوجواں وہ تو رہیں گے، ہم ہیں کئی دن کے میہماں	اک ہم ہی بوڑھے سب سے ہیں، اور پیرِ ناتواں بس سبکو چھوڑ ہم سے ملو کس لیے کہ جان	
	پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است		
(۹)	جو ہیں جوان اُنھوں کے تو اُلفت ہیں کار و بار ملتے ہیں، دل لگاتے ہیں، پھرتے ہیں خوار و زار	ہم بوڑھے ہو کے عشق کو رکھتے ہیں برقرار جو ہم سے ہو سکے، وہ غنیمت ہے، میرے یار	
	پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است		
(۱۰)	دانتوں کا گرچہ مُنھ میں ہمارے نہیں نشاں ان شوخیوں کا وقت ہمارے بھلا کہاں ؟	بوسے پہ آن اڑتے ہیں تو بھی ہر ایک آں پر دل میں اپنے ہم بھی یہ کہتے ہیں پیری جاں	
	"پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است"		
(۱۱)	جنکو خدا نے دی ہے جوانی کی دستگاہ اور ہم کہاں پھر آویں گے کرنے تمھاری چاہ	وہ تو ہمیشہ دل کو لگاویں گے تم سے آہ ! بس تم اب اپنے دل میں اسی پر کرو نگاہ :	
	پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است وز شاخِ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است		
(۱۲)	گو تن تمام کانپے ہے، اور ہیں سفید بال پیارے ہمارے ملنے سے لاؤ نہ کچھ ملال	تو بھی بنا ہتے ہیں محبت کی چال ڈھال کس واسطے کرو تم اب اس بات پر خیال	خیال

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخِ کُہنہ میوۂ نورس غنیمت است

(۱۴) ہوتے ہیں اُلفتوں سے جوانی میں سب اسیر
جو ہم کو دیکھتا ہے اب اس حال میں نظیر
ہم عشق سے بُڑھاپے میں سکلے ہیں بن فقیر
پڑھتا ہے شاد ہو کے یہی بیتِ دلپذیر

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت است
وز شاخِ کُہنہ میوۂ نورس غنیمت است

نظم نمبر ۵۵

جوانی بُڑھاپے کی لڑائی

مناظرۂ شیب و شباب

(۱) جہاں میں، یارو، خُدائی کی کیا خدائی ہے!
ادھر جوانی بُڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے
کہ ہر کسی کو تکبّر ہے، خودنمائی ہے
اُدھر بڑھاپے کی اُسپر ہوئی چڑھائی ہے
عجب جوانی، بُڑھاپے کی اب لڑائی ہے!

(۲) جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار
ہوتے ہیں دونوں جو لڑنے کے واسطے تیّار
بُڑھاپا اپنے بُڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ادھر جوانی نے کھینچی ہے طیش سے تلوار
بُڑھاپے نے بھی اُدھر لاٹھی اک اُٹھائی ہے

(۳) ادھر ہے تیر سا قامت، اُدھر وہ پیٹھ کماں
جوانی کہتی ہے بڑھکر کہ "سن، اُبڑھاپے میاں،
اُدھر وہ ٹیڑھا بدن، اور ادھر اکڑ کے نشاں
کہ تیری خیر اسی میں ہے، چل، سَرک اِس آں
وگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

(۴) میں آج وہ ہوں کہ رستم کو کھڑ کھڑا ڈالوں
درخت جڑ سے اُکھاڑوں، زمین ہلا ڈالوں
پہاڑ ہووے تو اک دم میں ہل ہلا ڈالوں
ابھی کہے تو تری دھجیاں اُڑا ڈالوں
کہ مجھ کو زور کی، قوت کی بادشاہی ہے"

خدائی یہ

(۵)
کہا بڑھاپے نے گر تجھ میں زور ہو بچّا
اگرچہ زور ہمارے نہیں ہو تن میں رہا
تو ہاں جی، دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
مسوڑوں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالوں چبا
نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہو

(۶)
اگرچہ تو ہو نیا، ہم پُرانے ہیں، لیکن
ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہو سِن
نیا ہو تُو ہی دن آخر، پُرانا ہو سَو دن
پہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مروڑے بِن
کہ تو نے آکے بہت دُھوم یاں مچائی ہو"

(۷)
کہا جُوانی نے "تیرا تو اب ہو کیا احوال
نہ تیرے پاس طمنچہ نہ تیر، سیف نہ ڈھال
تو میرے کان مروڑے کہاں یہ تیری مجال
ابھی گھڑی میں بکھرتا پھرے گا ایک اک بال
یہ ڈاڑھی تو نے جو مدّت میں اب بڑھائی ہو"

(۸)
کہا بڑھاپے نے سُنکر کہ "تو اگر ہو پہاڑ
ابھی کہے تو ترے کپڑے، لتّے ڈالیں پھاڑ
تو ہم بھی سُوکھ کے جھڑ بیری کے ہوئے ہیں جھاڑ
ذراسی بات ہیں، اک دم کے بیچ لیویں اُکھاڑ
ہر ایک مُونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہو"

(۹)
یہ سُن کے بولی جُوانی کہ "چل، نہ کہہ تو بات
کہیں ہو پاؤں، کہیں سر، کہیں پڑا ہو ہات
ابھی جُوآن کے ماروں تری کمر میں لات
جسے تو جینا سمجھتا ہو، اور خوشی کی بات
وہ تیرا جینا نہیں ہو وہ بیحیائی ہو"

(۱۰)
یہ سُن کے بولا بڑھاپا کہ "تو نے جھوٹ کہا
شراب ہو جو پُرانی، تو اُڑ چلے ہو نشا
جو پوچھے سچ، تو ہمیں کو مزہ ہو جینے کا
پُرانے جب ہوے چانول، تو ہو انھیں میں مزا
قدیم ہو یہ مثل، ہم نے کیا بنائی ہو؟

(۱۱)
تری تو خلق میں ہو چار دن کی سب کو چاہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عُمر نباہ
جہاں تو ہو چکی، پھر بس وہی ہو حال تباہ
تو آپھی دیکھ گریباں میں ڈال کر مُنھ، آہ!
کہ اب ہو کس میں وفا، کس میں بیوفائی ہو؟"

(۱۲)
جوانی جب تو یہ بولی بڑھاپے سے سُن کر:
میں جب تلک ہوں، بہاریں، مزے ہیں سرتاسر
"تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر
جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی، تو بھی ہے خوشتر
مزے تو لوٹ لیے گو کہ پھر گدائی ہے"

(۱۳)
یہ سُن کے بولا بڑھاپا: "وہ سلطنت ہے کیا
ہمیں ملی وہ بزرگی کی منزلت اس جا
کہ جس کے ساتھ لگا ہو زوال کا دھڑکا
کہ جب تلک ہیں، رہے گی ہمارے ساتھ سدا
خدا نے ایسی ہمیں دولت اب دِلائی ہے"

(۱۴)
کہا جوانی نے: "چل، جھوٹی اب نہ کر تکرار
شراب، ناچ، مزے، گل بدن، گلے میں ہار
مرے تو واسطے عیش و طرب ہیں باغ و بہار
تری خرابی یہ دیکھی ہے ہم نے کتنی بار
کہ تو نے ہر کہیں ذلت ہی جا کے پائی ہے

(۱۵)
مجھے خدا نے دیا ہے وہ مرتبہ اور شان
اُچھل ہے، کود ہے، لذت، مزے، خوشی کے دھیان
جدھر کو جاؤں اُدھر عیش، رنگ، پھول اور پان
گلے لپٹتے ہیں محبوب گل بدن ہر آن
گھڑی گھڑی کی نئی سیر ہی اُڑائی ہے"

(۱۶)
کہا بڑھاپے نے "چل جھوٹ اتنا مت بولے
ہمیں کہیں ہیں 'وہ حضرت'، تجھے کہیں 'آبے'
فدا تو جن پہ ہے، وہ میرے پاؤں ہیں پڑتے
ہزاروں بار پڑے تجھ پہ لات اور گھونسے
بھلا بتا تو کہیں ہم نے مار کھائی ہے؟

(۱۷)
تجھے کُچلتے ہیں وہ خوبرو جو لاتوں میں
ہم عیش دن کو اُڑاتے ہیں، اور تو راتوں میں
ہم اُن کو مار اُتاریں ہیں دم کی باتوں میں
کریں ہیں عشق کو ہم جسطرح کی گھاتوں میں
تجھے کہاں ابھی اسبات میں رسائی ہے؟

(۱۸)
تو جنکے واسطے گلیوں میں اب پھرے ہے خوار
تجھے تلاش و طلب میں کٹے ہے لیل و نہار
ہم اُن کی لوٹتے ہیں عیش و طرب کے بیچ بہار
ہم اپنی کُٹی میں بیٹھے ہی کھیلتے ہیں شکار
تو کیا وہ جانے جو کچھ ہم نے گھات پائی ہے؟

(۱۹)ؔ بُڑھاپے[ف] نے کہا اُس دم جوانی سے: "بابا،
مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بُزرگی اور مشیخت بُڑھاپے میں ہے سدا
تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا
تو ہر طریق میں خواری ہی تجھپہ آئی ہے"

(۲۰)ؔ جونہیں جُوانی نے خواری کا مُنھ سے نام لیا
بڑھاپا دوڑ جوانی سے وہ ہیں آلپٹا
مرُوڑیں مُوچھیں، ادھر اُس نے ڈاڑھی کو کھینچا
لڑے جو دونوں، بڑا ہر طرف یہ شور مچا
کہ "یارو، دوڑیو، فریاد ہے! دُہائی ہے!

(۲۱) کھڑے تھے لوگ ہزاروں، یہ دونوں لڑتے تھے
گھڑی پچھاڑتے تھے، اور گھڑی پچھڑتے تھے
جو بازو چھوڑتے تھے، تو کمر پکڑتے تھے
ہر اک طرف سے نئے گھونسے لات جڑتے تھے
تو سب یہ کہتے تھے "کیا ان کے جی میں آئی ہے؟"

(۲۲) یہ مار کوٹ کا آپس میں جب ہوا چرچا
نظیر اس میں وہیں ایک ادھیڑ بن آیا
کچھ اس کو روکا ادھر، اور کچھ اُس کو سمجھایا:
"تم اپنے خوش رہو، یہ اپنے خوش رہے ہر جا
ملاپ خوب ہے، لڑنے میں کیا بڑائی ہے"

نظم نمبر ۵۶

زور کی خوبیاں اور کم زوری کی بُرائیان

مُوازنۂ زور و کم زوری

(۱) زور میں لطف اکل و شرب۔ لطفِ سیر و تماشا
زور جبتک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا
پچ گئی دم میں، اگر کیسی ہی اثقل تھی غذا
گھُوندے گلزار و چمن، گلشن و باغ و صحرا
دوڑے ہر سیر تماشے میں خُوشی سے ہر جا
زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں، لکھوں میں کیا کیا

(۲) زور کی عام خُوبیاں
عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں
خرمی، خوش دلی و عیش و طرب زور میں ہیں
جینے کے

ف وہ ایک بند اوپر کے غائب معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اوپر جو تقریر تھی وہ بڑھاپے ہی کی تھی۔ بند ۲۰ میں خواری کے لفظ کا جوانی کے مُنھ سے نکلنا لکھا ہے حالانکہ وہ اس بند کے مطابق بڑھاپے کے مُنھ سے ہے۔ پس ان دو بندوں میں کچھ تصرفِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

لذتیں، فرحتیں کیا کہیے عجب زوروں پہ ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زوروں پہ ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

(۳) کم زوری کی خرابیاں، اچھل کود تو گئی۔ چلنے پھرنے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

جب سے کم زور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال
ہو گئے سب وہ اُچھل کود کے نقشے پامال
سُستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہے کمال
اب جو چاہیں کہ چلیں پھر بھی اُسی طور کی چال
قصد کرتے ہیں بہت، پر کہیں جاتا ہے چلا

(۴) خرابی استعمال اشیائے بارده

پانی پیتے ہیں، تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے
پیویں شربت، تو ہوا زدگیاں وہ لاتا ہے
اور دہی چکھیں، تو چھینکوں کا منڈھا چھاتا ہے
اور جو کم کھائیں، تو پھر ضعف سے غش آتا ہے
پیٹ بھر کھائیں، تو پھر چاہیے چورن کو ٹکا

(۵) دشواریِ طےِ راہ

راہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال
اور ٹک تند ہوا چلنے لگی تو فی الحال
ہر قدم آتے ہیں پابوس کو سو رنج و ملال
چلنی پڑتی ہے پھر اُس وقت تو اس طور کی چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

(۶) دقتِ نشیب و فراز۔

اونچی نیچی جو زمیں آ گئی رستے میں کہیں
یک بیک دونوں سے گذرے، تو یہ طاقت ہی نہیں
اُس کی یہ شکل ہے کیا کہیے نقاہت کے تئیں
اُتریں نیچے کو، تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے پہ رکھیں پاؤں، دم آتا ہے چڑھا

(۷) تکلیفاتِ سرما

آوے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو
تو بھی ہرگز گُل گرمی کی نہیں آتی بو
پہنے نو سیر روئی کی جو بنا کر دوتو[1]
ہو بدن سرد و خنک اس میں کہ ایسا ہی کچھ
دیکھے گر برف کا تھیلا تو رہے سر کو جھکا

(۸) تکلیفاتِ گرما

اور عیاں ہووے جو ٹک آ کے ہوا گرمی کی
موم ہوتے ہیں جہاں تن کو ذرا دھوپ لگی
اُس میں کچھ اَور ہی ہوتی ہے نقاہت سُستی
اور پسینوں میں یہ صورت ہے بدن کی ہوتی
جیسے غواص سمندر میں لگاوے غوطا

[1] دوتا۔ دوتاہ۔ دوتاہ ایک قسم کی پوشاک۔ دوتو دوتا کا ہندی لہجہ ہے۔

(۹) فقدانِ طاقت تحریر و تقریر و افسردگیِ عام

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر
طبع افسردہ، دل آزردہ، بدن سخت حقیر
جس میں نہ طاقتِ تحریر نہ تابِ تقریر
جو جو کم زوریاں کرتی ہیں، وہ کیا کہیے نظیرؔ
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

نظم نمبر ۵۷
موت کا دھڑکا
گرہ بند

(۱)
دنیا کے بیچ، یارو، سب زیست کا مزا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے
جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹا ہے
نے باپ ہے نہ بیٹا، نہ یار آشنا ہے
ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہے

(۲)
جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے
جب مر گئے، تو ہرگز مے ہے نہ کوئی شے ہے
گلزار، ناچ، سیریں، ساقی، صراحی، مے ہے
اس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں، ہے ہے!
ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہے

(۳)
ہر دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
پوچھا نہ پھر کسی نے: "وہ تھے میاں کدھر کے؟"
ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہے

(۴)
مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتاوے
جو دیکھے اُن کی صورت، دہشت سے بھاگ جاوے
نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی منھ لگاوے
اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے
ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے

مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہی

(۵)
پیتے تھے دودھ شربت، اور چابتے تھے میوا
بچّے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا
مرتے ہی پھر کچھ اُن کا سکّہ رہا نہ تھیوا[۱]
اس مرگ نے اُکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہی رُوح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہی

(۶)
جب رُوح تن سے نکلی، آنا نہیں یہاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یاں پھر، گھوڑے پہ چڑھ کے واں پھر
کاہے کو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر؟
جب مر گئے تو، لوگو، یہ عشرتیں کہاں پھر؟

ڈرتی ہی رُوح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہی

(۷)
گھر ہو بہشت جنکا، اور بھر رہی ہو دولت
پھر مرتے وقت اُن کو کیونکر نہووے حسرت؟
اسباب عشرتوں کے محبوب خُوب صورت
کیا سخت بے بسی ہی، کیا سخت ہی مصیبت!

ڈرتی ہی رُوح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہی

(۸)
کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہی جاتی
اور وہ بناویں ٹکڑا، دیکھو نک اُن کی چھاتی
لیکن، نظیر، سب کچھ یہ موت ہی چھُڑاتی

ڈرتی ہی رُوح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہی
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہی

[۱] تھیوا۔ پتھر جو انگوٹھی میں جڑا جاتا ہی۔ نگینِ انگشتری یہاں وہ نگیں مراد ہی جس پر مہر کھُدواسلیتے ہیں۔

دوسری فصل۔ مختلف فصلیں اور اُنکے لوازم

دن رات اور صبح شام کی کیفیتیں

نظم نمبر ۵۹

بہار

گرہ بند

(۱)
شب کو چمن میں، واہ وا، کیا ہی بہار تھی مچی! پھُول کھلے تھے پھُول پھُول، غنچہ کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جُوئی، سیوتی باد صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
حوض پڑے چھلکتے تھے، نہر لہوریں لیتی تھی شوخ بغل میں غنچہ لب، مے کے نشوں کی تازگی
عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی اس میں کہیں سے، ہے غضب! انکلی جو مکر چاندنی

صُبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مُفت بہار لُٹ گئی

(۲)
رات تو کیا ہی عیش کی ٹھیری تھی آکے انجمن تارے کھلے تھے مہ رتن، پھُول کھلے چمن چمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرّے، نسترن کبک و تدرو خندہ زن، بلبل و قمری نعرہ زن
یار بغل میں گلبدن، سُرخ گلے میں پیرہن سینہ بسینہ، تن بہ تن، عیش و طرب کے سب بَرَن
اس میں رقیبِ دل شکن، آیا گجر کا کرکے فن تھالی کہیں سے لاشتاب دے ہی بجا ٹھنن ٹھنن

صُبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے مُفت بہار لُٹ گئی

(۳)
باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی نزول کے گھور[۱] تھے! طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اُس کے بَرَن بھی زور تھے توڑے کڑے و بور[۲] تھے، چھلّے بھی پور پور تھے

حاشیہ: جوہی

[۱] گھور فراوانی۔ افراط [۲] بور چاندی یا سونے کے پھول۔ ایک قسم کا زیور۔ پانو کے چھوٹے چھوٹے گھنگرو۔

یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کپڑے بھی شور بور تھے
دونوں چکئی و ڈور تھے، دونوں پتنگ و ڈور تھے
بولا رقیب دن دیئے، دوڑیو یارو، چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

(۴)
کیا ہی مزے تھے رات کو، یارو، میں تم سے کیا کہوں
شوخ بغل میں ذوفنون، عیش و طرب دوں فزوں
یار کے ناز اور فسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں
اس میں رقیب بد شگون، کچھ نہ بنا تو وہ زبون
صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
مے کے بہے تھے آ کے خون، چھپے نشوں میں لاگوں
جام پکارے منھ لگوں، عیش پکارے دم لوں
پچھلے ہی پہرے بن کے مرغ بولا ہو آنکھ گگڑوں کوں!

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

(۵)
لوٹے ہیں کیا ہی ہم نے واہ رات مزے بہار کے!
کاکل مشکبار کے، طرۂ تاب دار کے
باہیں گلے میں یار کے، بوس و کنار پیار کے
بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے
انکھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے
مے کے نشوں کے تار کے، پھولوں کے شاخسار کے
ہاتھوں میں گجرے تار کے، گچھے گلوں میں ہار کے
کچھ نہ بنا تو دی اذاں کوٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

(۶)
رات ہوئے تھے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا!
شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا
جامہ بدن میں چست چسا، پھول ہوا تھا بن بسا
اس میں رقیب گرگسا[1] کر کے سحر کا وسوسا
پیتے تھے مے بسا بسا، پھولوں میں ہم بسا بسا
زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آن و ادا میں جی بسا
نیند وں میں یار رسمسائے تھا جمائی کسمسا
لا کے نقارہ یا دہل دھوں دھوں، بجایا کس کسا

بسان

[1] گرگسا زبان دراز۔ سخت کلام۔ بعض نسخوں میں گرگ سا بھی ہے۔

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مُفت بہار لٹ گئی

(۷)
کیا ہی، نظیر، رات کو عیش کے تھے مُقابلے! — مے کے نشے اُبل چلے، دل کے فراخ حوصلے
جی پہ خوشی کے در کھُلے، رنج و تعب کے فاصلے — شوخ کے ناز چُلبلے، بوسوں کے تھے مُعاملے
ناز و ادا کے چوچلے، عیش و طرب کے غُلغُلے — یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
اس میں رقیب دم نہ لے بولا ہی کر کے اُشغلے[۵۱]: — "باندھو کمر مسافرو، کُوچ کریں ہیں قافلے"

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مُفت بہار لٹ گئی

نظم نمبر ۵۹

چاندنی

گرہ بند

(۱)
صحن چمن میں، واہ واہ، زور بچھی تھی چاندنی! — چاند ہلوریں[۵۳] لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری — چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک فزی فزی
بوس و کنار، و جام و مے، عیش و طرب، ہنسی خوشی — اس میں کہیں سے یکبیک مرغِ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

تھا ہی مین جی کی

(۲)
کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں — چھوٹیں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چُنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں[۵۲] — ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں — اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی

[۵۱] اُشغلے کرنے مکر کرنے۔ فریب کرنے [۵۲] گلابیاں شراب پیالیاں [۵۳] ہلوریں لینا موجیں مارنا۔

یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۳)
شب کو دلوں میں، واہ واہ، زور مزوں کے تار تھے!
دونوں دلوں میں پیار تھے، دونوں گلوں میں ہار تھے
سینے میں آسمان کے تیر حسد کے پار تھے
ہم سے وہ چار یار تھا، یار سے ہم دو چار تھے
وصل کے بیقرار تھے، عیش کے کاروبار تھے
ایک پلک میں ناگہاں سب وہ مزے فرار تھے

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۴)
چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک!
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک
ایسے مزے میں عیش میں آہ! کہیں سے ہک[۱] نہ ہک

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۵)
ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
دونوں دلوں میں لذتیں، دونوں جیوں میں عیش تھا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
ایک طرف وہ رشکِ مہ میری بغل میں تھا پڑا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
اتنے میں، آہ! ایک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گیا!

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۶)
واہ! ہوئیں تھیں رات کیا چاندنی کی اُجالیاں!
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

نسخے: سے

[۱] ہک ٹک نہ دھکیہ ہے شان و گماں۔

(۷)
کیا ہی چمن میں شب کو واہ! ابر سے تھی نور کی جھڑی ‏— تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
غنچہ دہن تھا بخیہ، پی تھی جو مے کڑی کڑی ‏— دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم، لب سے لب، چھاتی سے چھاتی جب لڑی ‏— کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آبلا پڑی

ف اس میں بلا یہ آپڑی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۸)
باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟ ‏— یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم ‏— پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم ‏— عین مزا تھا وصل کا اس میں نظیر، ہے ستم!

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

نظم نمبر ۶۰

جھڑی

گرہ بند

(۱)
رات لگی تھی، واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی! ‏— موسمِ خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی ‏— یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
مینہ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی ‏— اس میں کہیں سے، ہے ستم! ایسی اک آ پون چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۲)
شب کو ہوئیں، اہا ہا! زور مزوں کی مستیاں ‏— بجلی کی تکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں
سبزہ دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں ‏— دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
دھوم چھوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں اُکستیاں ‏— اس میں فلک نے یک بیک لوٹیں، دلوں کی بستیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۳)
برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم رات گھٹائیں کالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
چلتی تھیں مَے کی پیالیاں، منہ پہ نشوں کی لالیاں
کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں گھالیاں[ف]

گھالیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۴)
ابر و ہوا کے، واہ واہ! شبکو عجب ہی زور تھے!
غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، منہ کے جھڑا کے زور تھے
بادہ کشی کے اور تھے، عیش و طرب کے جھور تھے
آ پڑے اس میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۵)
چار طرف سے ابر کی، واہ! اٹھی تھی کیا گھٹا!
برسے تھا مینہ بھی جھوم جھوم چھاجوں، امنڈ امنڈ پڑا
ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا
بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
جھوسکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
دیکھ ہمیں اس عیش میں سینۂ فلک کا پھٹ گیا

گھمڑ گھمرا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۶)
زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینہ جھمک جھمک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے جھپک جھپک
یار بغل میں بانکا، عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش کا! اتنے میں آہ! یک بیک

چھلک چھلک

[ف] گھالنا — برباد کرنا۔

ابر کُھلا، ہوا گھٹی، بُوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

(۷)
کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر و ہوا کا، یار و گُل!
عیش و نشاط بر محل، بارہ دری کا تھا محل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل پل
برسے تھا منہ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
اس میں، نظیرؔ یک بیک آکے پڑ گئے خلل

ابر کُھلا، ہوا گھٹی، بُوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

نظم نمبر ۶۱

برسات اور پھسلن

(۱)
برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا
جھڑیوں کا منہ بھی آکے سراسر پھسل پڑا
بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
چھتّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا، اٹاری[1] گری، در پھسل پڑا

(۲) مکانوں کا گرنا
جنکے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا
دیواریں بیٹھتی ہیں، چھلّوں[2] کا ہے غل مچا
اُنکی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا تو کیا
چھجّا گرا، مُنڈیری کا پتھر[3] پھسل پڑا

چھلنی

(۳)
جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے جھڑ[4] لگا
کوئی پکارے ہے، مرا دروازہ گر چلا"
سُنیے جدھر، اُدھر کو دھڑاکے کی ہے صدا
کوئی کہے ہے "ہائے! کہوں تم سے اب میں کیا!
تم در کو جھینکتے ہو، مرا گھر پھسل پڑا"

کھونے بنانے کیا ؟

[1] اٹاری چھایا ہوا اُوپر کا کمرہ - کوٹھا - بالاخانہ - چھت کے اوپر کا مکان [2] چھلّا تشدید لام، گھر کی وہ دیوار جو ایک رخ سے پختہ اور دوسری جانب سے کچی ہو - امداد علی بحر کا ایک شعر ہے [5] خرابی لائے گا اک دن فراق اُس یار جانی کا ✦ ہمارے قصرِ تن میں چاہیے چھلّا فشانی کا - چھل دیوار کا کوئی ٹکڑا جو گر پڑا ہو - دیوار کی چند گری ہوئی اینٹیں [3] [4] جھڑ متواتر بارش - جھڑی -

(۴) ہاے ہائے

باراں جب آکے پُختہ مکاں کے تئیں ہلاے
کچا مکاں پھر اس کی بھلا کیونکہ تاب لاے؟
ہر جھونپڑے میں شور ہی، ہر گھر میں وائے وائے!
کہتے ہیں "یارو، دوڑیو جلدی سے، ہائے ہائے
پاکھے پچھیت[1] سو گئے، چھپر پھسل پڑا"
(حاشیہ: واے وائے!)

(۵)

آگر گرا جو ہی کسی . . . کا اب مکاں
اور اُس کے آشنا کی بھی چھت گرتی ہی جہاں
کہتا ہی ٹھٹھے باز ہر اک اُن سے آکے وہاں:
"دو کیا بیٹھے چھت کو روتے ہو تم ہائی میاں، یہاں؟
واں چھت[2] لگن کا آپ کے سب گھر پھسل پڑا"

(۶) سواروں کا گرنا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہی زمیں
نکلے جو گھر سے اُس کو پھسلنے کا ہی یقیں
مُفلس، غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
کیا فیل کا سوار ہی کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمیں کے اوپر پھسل پڑا

(۷) سواریوں کا گرنا

دیکھو جدھر تدھر کو یہی غُل مچا رہی
کوئی پھنسا ہی، اور کوئی کیچڑ میں خوار ہی
پیادہ اُٹھا جو مر کے، تو چھکڑا سوار ہی
گرنے کی دُھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہی
جو ہاتھی رپٹا، اونٹ گرا خر پھسل پڑا
(حاشیہ: اُدھر)

(۸) آقا نوکر کا گرنا

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہی بیشمار
کیسا ہی ہوشیار، یہ پھسلے ہی ایک بار
نوکر کا بس کچھ اس میں، نہ آقا کا اختیار
کُوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہی کتنے بار
آقا جو ڈگمگاے، تو نوکر پھسل پڑا

(۹) گھر کے صحن میں گرنا

کُوچے میں کوئی، اور کوئی بازار میں گرا
کوئی گلی میں گر کے ہی کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پانوں کسی کا رپٹ گیا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

(۱۰) پاخانے میں گرنا

دلدل جو ہو رہی ہی ہر اک جا پہ رسمسی
مر مرا اُٹھا ہی مرد، تو عورت رہی پھنسی

---

[1] پچھیت مکان کے پیچھے کی دیوار۔ دالان کی پشت کی دیوار۔ پچھواڑا۔ عقب خانہ [2] لفظ اصل میں چت لگن ہی مگر ٹھٹھے باز صاحب چونکہ جگت باز بھی ہیں، چھت کی رعایت سے چھت لگن فرماتے ہیں۔

کیا سخت مشکلات ہو، کیا سخت بے کسی! اُس کی بڑی خرابی ہوئی، اور بڑی ہنسی
جو اپنے جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

(۱۱) ارباب نشاط کا گرنا

+ + + جو ناچنے کو چلی کوئی خوش جمال + + + بھی ساتھ اُس کے چلا ساز کو سنبھال
آیا قدم تلے جو پھسلنی زمیں کا ڈھال + + + ادھر کو اُدھی رے! کر کر گری نڈھال
+ + + ادھر کو آہ رے! کر کر پھسل پڑا

(۱۲) گرنے کی بابت آشنا کی ظرافت

ایسی ہوس میں + + + جو کوئی نکتہ چین ہو کہتا ہو اُس سے + + + جو صحبت قرین ہو:
"اے بی یہ + + + یا کہ پھسلتی زمین ہو تم کو + + + کے جانے کا اندر یقین ہو
پر میں تو جانتا ہوں کہ باہر پھسل پڑا"

(۱۳) آشناؤں کا کچھ مطلب سے گرنا

عاقل جو + + + باز کہاتا ہو اب بڑا + + + جہاں گری تو وہیں آپ بھی گرا
جو تاڑ باز تھے سو پکارے یہ جا بجا "دو یارو، یہ جائے غور ہو ٹک دیکھیو ذرا
بنیے کا بیٹا کچھ تو سمجھ کر پھسل پڑا"

(۱۴) طفل بازوں کا گرنا

اور جس کسی کے دل کو ہو لڑکوں کے تن کی چاہ نکلا وہ ساتھ لڑکے کے کیچڑ میں ہو تباہ
اُلفت کی اپنی چاہ جتانے کو خوامخواہ لونڈا اگر اجو آگے تو پیچھے سے یہ بھی آہ!
بے اختیار اُس کے برابر پھسل پڑا

(۱۵) عاشق کا گرنا

کرتی ہو گرچہ سب کو پھسلتی زمین خوار عاشق کو پر دکھاتی ہو کچھ اور ہی بہار
آیا جو سامنے کوئی محبوبِ گل عذار گرنے کا مکر کرکے اُچھل کو دا ایک بار
اُس شوخِ گلبدن سے لپٹ کر پھسل پڑا

(۱۶) خود نظیر کا گرنا

کیچڑ سے ہر مکان کی تو بچتا بہت پھرا پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حُسن کی، مینہ برسا ناز کا پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا
آخر کو واں نظیر بھی آ کر پھسل پڑا

نظم نمبر ۶۲
برسات کا تماشا
تضمین

(۱)
اہلِ سخن کو ہوگا اک بات کا تماشا
دُنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا
اور عارفوں کی خاطر ہو ذات کا تماشا
ہم عاشقوں[۱] کو ہوگا سب گھات کا تماشا
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۲)
خورشید گرم ہو کر نکلا ہو اپنے گھر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
لیتا ہو مول بادل کر کر تلاش زر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر سے برسے
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۳)
قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف مُنھ اُٹھا کر
دو ہاں، سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر
ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سُنا کر!
کوئی دم کو میگھ راجا[۲] دیکھے گا سبکو آکر"
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۴)
جب یہ نوید پہنچی صحرا میں ایک باری
چشموں میں کوہ کے بھی ہوئی سب کی انتظاری
ہونے لگی وہاں پھر برسات کی تیاری
موسم کے جانور بھی آتے ہیں باری باری
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۵)
ساون کے بادلوں سے پھر آگھٹا جو چھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کُوک آئی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
بدلی نے کیا مزے کی رِم جھم جھڑی لگائی
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۶)
جن صاحبوں کے دل کو کچھ عیش سے ہو بہرا
ہر طرف آب، سبزہ اور گلبدن سنہرا
وہ اس ہوا میں جا کر دیکھیں ہیں کوہ و صحرا
جنگل میں آج سنگل کس کس طرح کا ٹھہرا!

[۱] عاشق سے وہ لوگ مُراد ہیں جو سوسائٹی اور نیچر کا ہر ادا پر عاشق ہیں [۲] میگھ راجہ بادلوں کا راجہ فرشتہ جو بدلیوں پر موکل ہو۔ رعد۔

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۷)
کوئی اپنے دل رُبا سے کہتا ہے دیکھیں جنگلا[1]　　چہرے کو تو گلابی یا گُلِ انار رنگ لا
اور ساغر و صُراحی مے کی تو اپنے سنگ لا　　پی پی نشوں میں سیریں دیکھیں بنا کے بنگلا

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۸)
ہر گُل بدن کے تن میں پوشاک ہے اِکہری　　پگڑی گلابی ہلکی، یا گُلِ انار گہری
صحنِ چمن میں ہے جو بارہ دری سُنہری　　اُس میں سبھوں کی آکر ہے بزمِ عیش ٹھہری

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۹)
معشوق عاشقوں میں کیا بزم بانک ہے　　شیشہ، گلابی، ساقی، اور جام اور گزک ہے
جھنکار تال کی ہے، اور طبلے کی کھڑک ہے　　گوری ملار کے ساتھ آواز کی لٹک ہے

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۰)
آ کر کہیں مزے کی ننھی پُھہار برسے　　چہروں کا رنگ چھٹ کر حُسن و نکھار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے　　چھاجوں اُمنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۱)
ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ، پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک مل مل کے ہے نہاتا　　غوغا کریں ہیں مینڈک، جھینگر ہے غُل مچاتا

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۲)
گلشن میں آ بھرے ہیں سب گُل بدن چھبیلے　　ساتھ اُن کے لگ رہے ہیں عاشق جو ہیں رنگیلے
کہتا ہے کوئی کسی سے وہ اے دل رُبا ہٹیلے　　ایک آن ہی گلابی مے کی ہاتھوں سے میرے پی لے

آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۳)
کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینہ کی دھاریں　　اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں

[1] جنگل کا ساں۔ ایک قسم کا پھول دار کپڑا۔

نمبر	مصرعے	مصرعے	حاشیہ
	کوئل پپیہے گوکیں، اور گوک کر پکاریں	اور مور مست ہو کر جوں کوکلا چنگاریں	
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۴)	کالی گھٹائیں آکر ہو مست تُل رہی ہیں رُخساروں پر بہاریں ہر اک کے ڈُھل رہی ہیں	دستاریں سُرخ اُس میں کیا خوب کُھل رہی ہیں شبنم کی بوندیں جیسے ہر گُل پہ تُل رہی ہیں	پھلریں
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۵)	ساون کی کالی راتیں، اور برق کے اشارے لپٹے گلے سے سوتے معشوق ماہ پارے	جگنوں چمکتے پھرتے جوں آسماں پہ تارے گرتی ہے چھت کسی کی، کوئی کھڑا پکارے	جگنو
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۶)	ہاتھوں میں ہیں ہر اک کے پھولوں کی لال چھڑیاں کُل بوندوں کے جو اوپر بوندیں ہیں مِنہ کی بڑیاں	بجلی چمکتی پھرتی، اور لگ رہی ہیں جھڑیاں برسیں گویا ہزاروں اب موتیوں کی لڑیاں	
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۷)	ہر ایک اُن میں بہتر محبوب گُل بدن ہے تس پر یہ ابرِ باراں اور گُل ہے اور چمن ہے	خوبی میں برگِ گُل سے بہتر ہر اک کا تن ہے عاشق کے دل سے پوچھو کیا عیش کا چلن ہے	
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۸)	شہروں کے بیچ ہر جا عُمدوں کے جو مکاں ہیں بیٹھے ہوئے بغل میں معشوق دلستاں ہیں	باراں کے دیکھنے کی بام و اٹاریاں ہیں ہر رنگ، ہر طرح کی، مے کی گُلابیاں ہیں	
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۱۹)	بنگلے سبھوں نے ہر جا اونچے چھوائے زردے پکوان تازے تازے، خاصے پلاؤ زردے	میوے، مٹھائی، انبہ، انگور، اور سردے برسے ہے ابرِ باراں، کھلوا دیے ہیں پردے	
	آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا		
(۲۰)	اب شہر میں جہاں تک اوباش پیشہ ور ہیں	بیٹھے دُکان اوپر بے خوف و بے خطر ہیں	

معشوق ہیں، بغل میں محبوب سیم بر ہیں　　اور سب غریب غربا دل شاد اپنے گھر ہیں

آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۲۱)
آگے دکاں کے نالا ہے موج مار چلتا　　عالم طرح طرح کا آ گے سے ہے نکلتا
کوئی چھپکتا پانی، اور کوئی ہے پھسلتا　　ٹھٹّا ہے اور مزا ہے، آبِ عنب ہے ڈھلتا

آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۲۲)
معمور ہیں جہاں کی سب تال اور تلیّاں　　سب بھر رہا ہے پانی اور سیر امبر تلیاں[1]
اور ڈالیاں چمن کی بوندوں سے جھک رہی ہیں　　نیّا دل بھرے ہیں جیسے معشوق ہیں دو گھنیاں

آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(۲۳)
جو ہے جو نظیر، جنکی دھوم میں اگستیاں ہیں　　سب سے زیادہ اُس کو اب عیش مستیاں ہیں
معشوق ہیں بغل میں اور مے پرستیاں ہیں　　شعروں سے موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں

(حاشیہ: [illegible])

آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نظم نمبر ۶۳

برسات کی بہاریں

تضمین

(۱)
ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں!　　سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں!
بوندوں کی جھمجھاوٹ[ن]، قطرات کی بہاریں　　ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں

(حاشیہ: جھمجھاوٹ)

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲) برسات کا سماں
بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں　　جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں　　گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

---
[1] آموں کا باغ [2] ترو تازہ۔ شاداب۔

(۳)
مارے ہیں موج ڈابر، دریا ڈونڈ رہے ہیں[۱]　　　مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں[۲]
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں، نالے اُمنڈ رہے ہیں　　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ، بادل گھمنڈ رہے ہیں[۳]

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴)
جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں　　　گُل، پھول، جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہے ہیں　　　اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵) قدرت کی موسیقی
بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں　　　جھینگر جھنگار اپنی سُرنائیاں بجاویں
کر شور مور، بگلے جھڑیوں کا منہ بُلاویں　　　پی پی کریں پپیہے، مینڈک ملاریں گاویں　　　ملار

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶) قدرت کی رنگ آمیزی
ہر جا بچھا رہا ہے سبزا ہرے بچھونے　　　قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے　　　بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے!

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۷)
سبزوں کی لہلہاہٹ، کچھ ابر کی سیاہی　　　اور چھا رہی گھٹائیں سُرخ اور سُفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر، لے ماہ تا بماہی　　　یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی!

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۸) قدرت کی تسبیح
کیا کیا رکھے ہے، یارب، سامان تیری قدرت!　　　بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت!　　　تیتر پکارتے ہیں "سُبحان تیری قدرت"!

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۹)
کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا　　　اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا　　　یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

۱ ڈونڈنا جوش مارنا ۲ رمنڈنا غل کرنا ۳ گھمنڈنا گرجنا۔

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۰)
بولیں بئے بٹیریں، قمری پکارے کو کو!
پی پی! کرے پپیہا، بگلے پکاریں تو تو!
کیا ہُدہُدوں کی حق حق! کیا فاختوں کی ہو ہو!
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو، کیا پنکھ کیا پکھیرو،

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۱)
جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گر گر گھنگور ناچتے ہیں
مینڈک اُچھل رہے ہیں، اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

(۱۲) شادی و غم
پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن ٹھن
سوہیں[۱] گلابی جوڑے، پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کے گھر ہی کھانا، سونا لگے ہے آنگن
کونے میں پڑ رہی ہیں سر منھ لپیٹ سوگن[۲]

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۳) لذّتِ وصل و کلفتِ فراق
جو خوش ہیں، وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری
جو غم میں ہیں، انھوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری
چھاتی پھٹے ہے اُن کی جو ہیں برہ[۳] کی ماری

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۴)
جو وصل میں ہیں، اُن کے جوڑے مہک رہے ہیں
جھولوں میں جھولتے ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں، سو اُن کے سینے پھڑک رہے ہیں
آہیں نکل رہی ہیں، آنسو ٹپک رہے ہیں

جھمک

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۵) مصائبِ فراق
اب برہنوں[۴] کے اوپر ہے سخت بیقراری
ہر بوند مارتی ہے سینے اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں ہاری ہاری:
"ہے ہے! ابھی پیا نے اب کے بھی سُدھ ہماری"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

[۱] سوہنا: زیب دینا۔ بھلا معلوم ہونا۔ زیب تن ہونا [۲] سوگن: غم ناک عورت۔ غم زدہ عورت جو کسی کا سوگ کرتی ہو [۳] برہ: فراق۔ برہ کی ماری: فراق زدہ۔ برہن [۴] برہن: صدمۂ جدائی میں مبتلا۔

(۱۶)
جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سناتی
سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دُھن کو سُن کر بے کل ہیں کہتی جاتی:
"مت بول، اے پپیہے، پھٹتی ہے میری چھاتی"،
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۷)
ہے جن کی سیج سُونی، اور خالی چارپائی
رو رو انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سُنائی:
"پردیسی نے ہماری اب کے بھی سُدھ بھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھاتی"
(ہی ہیں)
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۸)
کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی
میلے کچیلے کپڑے، آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا، نے اوڑھنی رنگائی
پھوٹا پڑا ہے چولھا، ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۱۹)
گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا:
"مارو[۱] جی، آج کیجے یاں رین کا بسیرا"،
ہے خوش، کسی کو آ کر ہے درد و غم نے گھیرا
مُنھ زرد، بال بکھرے، اور آنکھوں میں اندھیرا
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۰) عیشِ عام
اور جنگو اب مہیّا حُسنوں کی ڈھیریاں ہیں
سُرخ اور سُنہرے کپڑے، عشرت کی گھیریاں ہیں
محبوب دلبروں کی زُلفیں بکھیریاں ہیں
جگنوں چمک رہے ہیں، راتیں اندھیریاں ہیں
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۱)
کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگو رہے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے، جھولوں میں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سُدھ اپنی کھو رہے ہیں
جھولے کی دیکھ صُورت ہر آن رو رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

(۲۲)
بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو، اونچے چھوا کے بنگلے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے[۲]
کتنے پھرے ہیں باہر خُوباں کو اپنے سنگ لے
سب شاد ہو رہے ہیں عُمدہ، غریب، کنگلے

[۱] مارو جگ جو لڑاکا۔ گیتوں میں معشوق کو اس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے [۲] وہ ملک جس میں جنگل بہت ہوں۔ جنگل بیابان۔

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۳) [حاشیہ: پوٹے تلے]

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا
یا سائبان ستھرا، یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رہا ہے پوٹے تلے گذارا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۴) مکانوں کا گرنا

چھت گرنے کا کسی جا غُل شور ہو رہا ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے
مفلس سو جھونپڑے میں دل شاد سو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۵) [حاشیہ: جانے مرا دوا]

مدّت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پُرانا
اُٹھ کے ہے اُن کو منہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے "ٹُک موری کھول آنا"
کوئی کہے ہے "چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۶)

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکاں ٹپکا
گرتی ہے چھت کی مٹّی اور سائباں ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری، کوٹھا ندان ٹپکا
باقی تھا اک اُسارا، سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۷)

اُونچا مکان جس کا ہے پیچ کھنا سوایا
اوپر کا کھن ٹپک کر جب پانی نیچے آیا
اُس نے تو اپنے گھر میں ہے شور غُل مچایا
مفلس پکارتے ہیں "وہ جانے ہمارا"+++×

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۸) افراطِ حشرات الارض

سبزوں پہ بیر بہوٹی، ٹیلوں اُپر دھتورے
پسّو سے، مچھّروں سے، روئے کوئی بسورے
بچھّو کسی کو کاٹے، کیڑا کسی کو گھورے
آنگن میں کنسلائی، کونوں میں کھنکھجورے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۲۹) امراضِ موسم

پھنسی کسی کے تن میں، سر پر کسی کے پھوڑے
چھاتی پہ گرمی دانے، اور پیٹھ میں ددوڑے

له پوٹے تلے گزارا کرنا مفلسانہ تنگی سے زندگانی بسر کرنی ۲ه نوان آخر کار، بالآخر ۳ه پیچ کھنا پچ منزلہ ۴ه کھن منزل

کھا پوریاں کسی کو ہیں لگ رہے مروڑے
آتے ہیں دست، جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے — اردبان

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۰)
تیلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی
کوئی پکارتا ہے "کیوں خیر تو ہے بھائی؟
لُچّی نے وہیں بولی آ اونٹ کی بلائی
ایسے جو کھانستے ہو، کیا کالی مرچ کھائی؟"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۱) لطفِ رنگیں پوشی
جس گُل بدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا، یا اُودی اوڑھنی ہے
سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اُس پر تو سب گُھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۲)
بدنوں میں کھُب رہے ہیں خُوبوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے
جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
آنکھوں میں چُبھ رہے ہیں پیاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۳)
اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
کچھ حُسن کی چڑھائی، اور کچھ نئی جوانی
گلنار، یا گلابی، یا زرد، سرخ، دھانی
جُھولوں میں جُھولتے ہیں، اُوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۴) [illegible]
کوئی تو جھولنے میں جھولے کی ڈور چھوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر، برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
یا ساتھیوں میں اپنے پانوؤں سے پانوں جوڑے
بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۵) [illegible]
کتنوں کو ہو رہی ہے اس عیش کی نشانی
"اس وقت تم نہ جاؤ، اے میرے یار جانی"
سوتے ہیں ساتھ جس کے، کہتی ہے وہ سیانی:
"دیکھو تو کس مزے سے برسے ہے آج پانی"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۶) شراب و کباب راگ رنگ
کتنے شراب پی کر ہو مست چھک رہے ہیں
مے کی گلابی آگے، پیالے چھلک رہے ہیں

ہوتا ہے ناچ گھر گھر، گھنگرو جھنک رہے ہیں
پڑتا ہے منہ جھڑا جھڑ، طبلے کھڑک رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۷) مقابلہ دولتمند و مفلس

ہیں جن کے تن مُلائم، میدے کی جیسے لوئی
وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مُفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی
ہے اُن کے سر پہ سِرکی[۱]، یا بوریے کی کھوئی[۲]

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۸)

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سُرخ پٹّو
جو دیکھ سُرخ بدلی ہوتی ہے اُن پہ لٹّو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں، کتنوں کے گھوڑے ٹٹّو
جس پاس کچھ نہیں ہے، وہ ہم سا ہے نکھٹّو

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۳۹)

جو اس ہوا میں، یارو، دولت میں کچھ بڑے ہیں
ہے اُن کے سر پہ چھتری، ہاتھی اُپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غُربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں، اور پائنچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۰)

ہے جن کے گنے مُہیا پکّا پکایا کھانا
اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا
ہے سر پہ اُن کے پنکھا، یا چھاج[۳] ہے مُرانا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۱)

کتنے خوشی سے بیٹھے کھاتے ہیں خوش محل میں
کتنے چلے ہیں لینے بنیے سے قرض پل میں
کاندھے پہ دال آٹا ہلدی گرہ نے مل میں
ہاتھوں میں گھی کی پیالی، اور لکڑیاں بغل میں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۲) بہشت کی حوروں کی کیفیت

جو + + + جو انیں حُسنوں میں پُرتیاں[۵] ہیں
سینوں میں لال انگیاں اور لال کُرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں، دل میں بھی پُھرتیاں ہیں
اک اک نگہ میں کافر بجلی کی پھُرتیاں ہیں

۱؎ سِرکی ایک قسم کی چٹائی بارش سے بچنے کے لیے ۲؎ کھوئی کپڑے یا بوریے کی وہ خاص شکل جو بارش سے بچنے کے لیے سر پر رکھنے سے پیدا ہوتی ہے ۳؎ مُفلسوں کی بارانی ۴؎ شوپ ۵؎ پُرتیاں ہیں یعنی پوری اُترتیاں ہیں۔ حسن میں کامل ہیں۔

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۳) جو نوجواں ہیں اُن کی تیاریاں بڑی ہیں — ہاتھوں میں لال چھڑیاں، کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں
اور وہ جو + + سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں — مُنھ کو چھپا پلنگ پر مچلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۴) کوئی اپنے آشنا سے کرتا نہ کا جھپٹا — کہتی ہے ہنس کے کافر چٹکی لے یا نہٹا[1]:
وہ تم سے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا — تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرا دوپٹا"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

۴۵ کہتی ہے کوئی: "مجھ کو جوڑا سوہا بنا دو — یا ٹاٹ بافی جوتا یا کفش سُرخ لا دو"
کوئی کہے ہے: "میری کُرتی ابھی رنگا دو — یا گرم سے اندر سے اک سیر بھر منگا دو"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۶) جو اُن کے مُبتلا ہیں سب چیز لا رہے ہیں — کُرتی بنا رہے ہیں، انگیا رنگا رہے ہیں
جو جو ہیں اُن کی باتیں سب کچھ اُٹھا رہے ہیں — باہیں گلے میں ڈالے عشرت منا رہے ہیں

مُبتلاؤں کا حال۔

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۷) کتنوں نے قول باندھا + + کے دے کے پیسے — کہتے ہیں شاد ہو کر یوں اپنی + + + سے:
وہ برسات بھر تو اب کی سُنتے ہو جان پیارے؟ — احمق ہو جو پلنگ سے اب + + + کو اُترے"

بھڑوا

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۸) یہ سُن کے اُن سے ہنس ہنس کہتی ہے شوخ + + + — + + + کو اب تو لے کر نبدی بھی ہے گھمنڈی
ہم پہنیں لال جوڑا، تم پہنو خاصی بنڈی[2] — خندی ہو جو تمھاری چھاتی کرے نہ ٹھنڈی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۴۹) بزر وار کی تو اُن میں ہے بچھ رہی پلنگڑی — + + + پری سی بیٹھی، جھمکا سے پوڑی بنگڑی

---

[1] نہٹا لینا ناخن سے صدمہ پہنچانا۔ ناخن سے خراش دینا۔ ناخن سے زور سے چٹکی لینی [2] بنڈی ایک مختصر پورا جامہ۔

مفلس کو ٹوٹی پٹی یا ٹاٹ کی جھلنگڑی ++ ملی تو کالی، یا گنجی، لولی، لنگڑی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۰) ++ بھی اب تو سب بن رہی ہیں رنگیسا پہنے ہیں ++ اُن کے تنبان یا کہ جنگیا
کہتی ہے ++ سے "وہ کیوں میرے یار بھنگیا، تو آج بھی نہ لایا میری رنگا کے انگیا؟"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۱) کُرتی گلابی جن میں گوٹے لگے ہوئے ہیں انگیا کے گرد جھوٹے گوٹے ٹکے ہوئے ہیں
کہتی ہیں اُن سے ہنس ہنس جو جو کٹے ہوئے ہیں: "وو لاا ب تو میرے تجھ پر بارہ ٹکے ہوئے ہیں"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۲) جن دوستوں کے دل میں لڑکا سما رہا ہے اُن کو بھی اس ہوا میں یہ عیش، یہ مزا ہے
ستھرا پلنگ بچھا ہے ++ بھی خوش ادا ہے یہ پیار کر رہا ہے ++ مچل رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۳) جو بیگمی ہے، گھر[1] میں آرام کر رہی ہے پردوں میں دوستوں سے پیغام کر رہی ہے
چتون لگاوٹوں سے سو دام کر رہی ہے چھپکے ہی چھپکے اپنا سب کام کر رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۴) محبت کا قصہ — کہتا ہے کوئی اپنے محبوب سیمبر سے: "دو اس مینھ میں نہ جاؤ پیارے ہمارے برسے" — بیٹھو میاں تم
کوئی کہے ہے اپنے دلدارِ خوش نظر سے: "دو ہاتھوں سے میرے، جانی، کھالے یہ دو اندرسے"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۵) فرمائشوں کا تقاضا — کہتا ہے کوئی: "وو پیاری جو کچھ کہو سو لادیں زردوزی، اٹاٹ بافی جوتا کہو پنھا دیں
پیڑا، جلیبی، لڈو جو کھاؤ سو منگا دیں چیرا، دوپٹہ، جامہ جیسا کہو رنگا دیں"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۶) حسینوں کا طلب نامہ عاشق سے — جن دلبروں کے تن پر ہیں گرمی دانے آلے کہتے ہیں اُن کو عاشق یوں پیار سے بُلا لے

[1] مطبع احمدی والے نسخے میں یہ بند نہیں ہے۔

"کیا مُنھ برس رہا ہی! پیارے، ذرا نہالے
چھاتی نہیں، تو پیارے ٹک پیٹھ ہی ملالے"

کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں!

(۵۷) بھیگنے کی بہار
اس رُت میں جہانتک گُلزار سب بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کُہسار سب بھیگتے ہیں
شہر و دیار کوچے بازار سب بھیگتے ہیں
عاشق نہار رہے ہیں، دلدار سب بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!!

(۵۸)
کتنے تو دلبروں کی دہلی پہ بھیگتے ہیں
اور سب کتنے + + + کی ڈیوڑھی پہ بھیگتے ہیں
کتنے پریرخوں کی بولی پہ بھیگتے ہیں
کتنے طوائفوں کی موری پہ بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۵۹)
کہتی ہی جب وہ سُن کر یہ بات: "بھیگ احمق
مجکو بھی ضد چڑھی ہی دن رات بھیگ احمق
ماروں گی تیرے آگر اک لات بھیگ احمق
یوہیں تو اب کے ساری برسات بھیگ احمق"
بھڑوے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۰)
زردار کی تو سُنکر آواز وہ پریرُو
مُفلس کوئی پکارے تو اُس سے کہتی ہی وہ:
کہتی ہی لونڈیوں سے: "جلدی کواڑ کھولو،
"ہرگز کوئی نہ بولو احمق کو سب بھیگنے دو"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۱)
یہ سُن کے گر وہ مفلس کچھ شور و غل مچاوے
کھڑکی میں ڈال سر کو جب نائکہ سُناوے:
بیٹھک میں اینٹ پھینکے، یا گندی ٹھر گھراوے
"کیا غل مچار ہا ہی، اس سن پٹّھے ماڑ ادے"
بھڑوے

کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں

(۶۲)
کوئی یار سے کہے ہی: "اے دلستان آؤ
کیا مینھ برس رہا ہی ہر اک مکان آؤ
بدلی بڑی اُٹھی ہی، کہنے کو مان، آؤ
راتیں اندھیریاں ہیں، اے میری جان آؤ"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۳)
کوئی رات کو پکارے: "پیارے میں بھیگتی ہوں
کیا تیری اُلفتوں کے مارے میں بھیگتی ہوں

آئی ہوں تیری خاطر، آرے میں بھیگتی ہوں
کچھ تو ترس تو میرا کھا رے، میں بھیگتی ہوں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں!

(۶۴)
کوئی پکارتی ہے: "دل سخت، بھیگتی ہوں
کپڑے بھی تر بتر ہیں اور سخت بھیگتی ہوں
کانپے ہے میری چھاتی، یک لخت بھیگتی ہوں
جلدی بُلا لے مجکو، کمبخت! بھیگتی ہوں"

کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں

(۶۵) صحبتِ عیش
آبادیں چھپر کھٹ ماچے، پلنگ کھٹولے
چڑیوں کی چرچراہٹ، بوچھار کے جھکولے
دلبر کہیں بغل میں، امرد کہیں ہیولے
+++ کہیں دھڑا کے، چلتے کہیں +++

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۶)
شیشہ، کہیں گلابی بوتل جھمک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے
رابیل، موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
پائے کھٹک رہے ہیں، پٹی چٹک رہی ہے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۷)
کوئی پکارتی ہے: "کیا کیا مجھے بھگویا!
ناحق قرار کر کے جھوٹا، مجھے بھگویا
کوئی پکارتی ہے "کیسا مجھے بھگویا!
یوں دور سے بلا کر اچھا مجھے بھگویا"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۶۸)
جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جنکے جوڑے
لے اُن کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں نچوڑے
وہ دیکھ اُن کی الفت ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
چیرا کوئی سکھاوے، جامہ کوئی نچوڑے

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

(۶۹) کیچڑ پھسلن
کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی
پھسلا جو پاؤں، پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

ن +++ [illegible]

لہ ایک بڑا مچان نما اونچا پلنگ۔

(۷۰) کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر، کتنے اَکس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں، اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۷۱) کہتا ہے کوئی گر کر یہ: "ای خدا سے لیجو!"
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے: "مجھکو بھی ہاے لیجو"
کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے: "واے لیجو!"
کوئی شور کر پکارے: "گرنے نہ پاے، لیجو!"

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۷۲) اکثر جو مرد عورت پھسلے ہیں ناگہانی
و یا اُس کا ہاتھ اُن کے پاجامے کی سیانی
تو اُن کی یہ ہوئی ہے گرنے کی واں نشانی
یا اُن کا مُنھ ہوا ہے اور اُس کی وہ میانی

ہمیانی

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۷۳) گر گر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطّر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اُس میں آن اکثر
پھسلا کوئی، کسی کا کیچڑ میں مُنھ گیا بھر
ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پانو اُوپر

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

(۷۴) یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خُرد و کبیر خوش ہیں
معشوق شاد و خُرّم، عاشق اسیر خوش ہیں
ادنےٰ، غریب، مُفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
جتنے ہیں اب جہاں میں سب، ای نظیرؔ، خوش ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں!

نظم نمبر ۶۴

اومس

گرہ بند

(۱) کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اومس
پانی سے پسینوں کے بڑی نہر ہے اومس
گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اومس
ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر[۱] ہے اومس

[۱] ہر شہر یعنے ہر شہر میں۔

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۲)
کتنے تو اس اُوس کے تئیں کہتے ہیں گرباؤ
اُس وقت تو پڑتا ہی غضب جان میں گھبراؤ
یعنے کہ گھرا ابر ہوا اور آکے رُکے باؤ
دل سینے میں بیکل ہو یہی کہتا ہی کھاتاؤ:

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۳)
بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہی ہوا بند
پنکھے کوئی پکڑے کوئی کھولے ہی کھڑا بند
پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہی یک چند
دم رُک کے گھُلا جاتا ہی گرمی سے ہر اک بند

نسخہ: پھینکے کوئی پگڑی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۴)
ایدھر تو پسینوں سے پڑی بھیگے ہیں کھاٹیں
کپڑا جو پہنیے، تو پسینے اُسے آٹیں[لہ]
گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چیوٹیاں کاٹیں
ننگا جو بدن رکھیے، تو پھر مکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۵)
رُکنے سے ہوا کے جو بُرا ہوتا ہی احوال
دم دھوکنے لگتا ہی لُہاروں کی گویا کھال
پنکھا، کوئی آنچل، کوئی دامن، کوئی رُومال
کچھ رُوح کو بیتابیاں، کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۶)
گھبرا کے دم آتا ہی، کبھی جاتا ہی بھولا
آتا ہی کبھی ہوش، کبھی جاتا ہے بھولا
آرام جو دل کا ہی سبھی جاتا ہی بھولا
کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں، جی جاتا ہی بھولا

لہ اٹنا یا آٹنا کنوے یا تالاب کو بھر دینا۔

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۷)
ہوتی ہی اُمس جو کبھی اک رات کو آکر
ایدھر تو ہوا بند، اُدھر پسّو و مچھّر
کر ڈالتی ہی پھر تو قیامت ہی مقرّر
پانی کوئی پیوے، تو اَدھن[1] سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھّی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۸)
جس وقت ہوا بند ہوا اور آ کے گھٹا چھائے
اوڑھو تو پسینا، جو نہ اوڑھو تو غضب آئے
پھر کہیے، دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے؟
پسّو، کبھی مچھّر، کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھی ہی، پر اک قہر ہی اُوس

(۹)
گر اس میں ہوا کھُل گئی اور پانی بھی لائی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُوس کی چڑھائی
تو جی میں جی، اور جان میں کچھ جان سی آئی
تو پھر وہی رونا وہی غُل، شور، دُہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھّی ہی پر اک قہر ہی اُوس

(۱۰)
اُوس میں تو لازم ہی نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اور کھیتوں کے واسطے گڑ تس سے ملا ہو
اک کوٹھری ہو جس میں دُھواں آ کے بھرا ہو
اُس وقت مزا دیکھیے اُوس کا کہ کیا ہو

کہ پنکھا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہی اُوس
سب چیز تو اچھّی ہی پر اک قہر ہی اُوس

(۱۱)
اس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہیں دل خواہ
جنگل بھی ہرے، گُل بھی کھِلے، سبز چراگاہ
مینھ برسے ہی اور سرد ہوا آتی ہی ہر گاہ
اُوس بھی مگر دل کو ستاتی ہی نظیرؔ، آہ!

[1] اَدھن کھولتا ہوا پانی جس میں چانول یا سوتیاں اُبالتے ہیں۔

برسات کے موسم میں پنٹ زہر ہو اُوس
سب چیز تو اچھی ہو، پر اک قہر ہو اُمس

نظم نمبر ۶۵

اندھیری

تضمین

(۱)
لاتی ہو جب اپنا یہ شروعات اندھیری
کرتی ہو اُجالے کے تئیں مات اندھیری
دیتی ہو غریبوں کو مکافات اندھیری
دکھلاتی ہو خُوباں کی ملاقات اندھیری
ہر عیش کی کرتی ہو عنایات اندھیری
کام آتی ہو عاشق کے بہت رات اندھیری

(۲)
جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار
جو شوخ ملا شوق سے جا بھڑ گئے للکار
گر اس میں کہیں شور ویا غل ہوا اکبار
ادھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم مار
برلاتی ہو اس ڈھب کی مہمات اندھیری
کام آتی ہو عاشق کے بہت رات اندھیری

(۳)
جب یار چلا اُوڑھ کے کالا سا دوشالا
کمبل کو اِدھر ہم نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا
منھ اُس کے رقیبوں کا کیا خُوب سا کالا
کیا وصل کا رکھتی ہو کرامات اندھیری!
کام آتی ہو عاشق کے بہت رات اندھیری

(۴)
بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے
چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے
اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
اس ڈھب کی تو رکھتی ہو عجب گھات اندھیری!
کام آتی ہو عاشق کے بہت رات اندھیری

(۵)
کل یار نے اور ہم نے جو پی لے کے گلابی — اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آ گیا بو سونگھ شتابی — گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۶)
سوتے تھے جو ہم، اس میں سُنے غیر کے کھٹکے — چھُپ چھپ گئے اُٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اُس نے ڈھکٹ ڈھوے جو مارے — کتنا ہی ٹٹولا، جو اُجالا ہو تو پاوے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری!
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۷)
معمول ہے جب چاند کا چھُپتا ہے اُجالا — ہوتا ہے عجب کھیل پرپردے سے دوبالا
محبوبِ پری شکل، صُراحی و پیالا — نہ روکنے والا، نہ کوئی ٹوکنے والا

اس لُوٹ کی کرتی ہے مُدارات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۸)
جس کوچے میں چاہا وہیں کرنے لگے پھیری — بیٹھے کہیں اُٹھے کہیں جلدی کہیں دیری
اور اس میں کہیں مل گئی گر حُسن کی ڈھیری — پھر جب تو نہ کہہ میری، نہ میں کچھ کہوں تیری

کام عیش کے لاتی ہے لگا سات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۹)
تھا شوخ سے کل رات عجب سیر کا کھٹکا — بوسوں کی مُدارات کا سینوں کی لپٹ کا
آیا جو چُغل خور، تو بندہ وہیں سٹکا — وہ ٹکّریں کھاتا ہوا پھرتا رہا بھٹکا

روکرتی ہے سب سر کی بلیّات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۱۰)
تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظیر آہ! — سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہمراہ

نکلے تھے ہمیں ڈھونڈھنے اُس دم کئی بدخواہ　　　مل مل بھی گئے تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ

کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

نظم نمبر ۶۶

پنکھا

(۱)
کیا موسمِ گرمی میں نمودار ہے پنکھا
گُل رو کا ہر اک جا پہ طلبگار ہے پنکھا
خُوبوں کے پسینوں کا خریدار ہے پنکھا
اب پاس مرے یار کے ہر بار ہے پنکھا
گرمی سے محبت کی بڑا یاوہ ہے پنکھا

(۲)
کیونکر نہ اُٹھے دل سے مرے شعلۂ جانکاہ!
جل جاوے جگر کیوں نہ بھلا رشک سے اب آہ!
جب شوخ کی پنکھے کے تئیں جی سے ہوئی چاہ
آ گئے دل صد چاک ہمارا تھا ہواخواہ
اور اب تو دل و جاں سے ہوا دار ہے پنکھا

(۳)
کیا کیا تجھے اُلفت کی جتاتا ہے وفائیں
بیتاب ہو، کر کر کے خوشامد کی ہوائیں
دُھوپ آوے تو کرتا ہے پڑا ہاتھ سے چھائیں
لیتا ہے ہر اک دم ترے مُکھڑے کی بلائیں
ایسا تری اُلفت میں گرفتار ہے پنکھا

(۴)
یہ اُنگلیاں نازک جو تمھاری ہیں نمایاں
ان نرم سے ہاتھوں کا ترس چاہیے ہر آں
ڈرتا ہوں کہیں پھانس سے ہوویں نہ یہ حیراں
پنکھے کو کبھو رکھ نہ سکے نہ لو ہاتھ میں، ایجاں
تُم کو تو مرے دل کا سزاوار ہے پنکھا

(۵)
چھیڑا جو مرے دل کی محبت کے اثر نے
رنگ چشم کے ڈوروں کے تئیں خونِ جگر نے
گرمی میں کہیں بیٹھ کے پنکھا تُجھے کرنے
سینوں سے مژہ کی مری گوندھا ہے نظر نے
پنکھے تو بہت ہیں، پہ یہ نوکار ہے پنکھا

(۶)
دل باغ ہوا جاتا ہے پھولوں کی بھبک سے　　　اور رُوح بسی جاتی ہے خوشبو کی مہک سے

سلہ باریک ریشہ بانس یا کسی اور شے کا جو کانٹے کی طرح بدن میں چبھ جاتا ہے — پھانس کی تیزی نوک سے زیادہ دھار میں ہوتی ہے

کچھ خس سے، کچھ اُس پانی کی بُوندوں کی ٹپک سے — نیند آتی ہی آنکھوں میں چلی جن کی جھپک سے
کیا یار کے جھلنے کا مزیدار ہے پنکھا!

(۷) جاڑے میں جو رہتے تھے ہم اُس گُل کے کنے سو — گرمی نے جدا کر دیا گرمی کا بُرا ہو!
حسرت سے بھلا پھوسے نکیے کیونکر نہ جگر کو — کیا گردشِ ایّام ہی، دیکھو تو عزیزو
جب یار کے ہم یار تھے، اب یار ہی پنکھا

(۸) نرمی سے، صفائی سے، نزاکت سے بھڑک سے — گوٹوں کی لگاوٹ سے، اور ابرک کی چمک سے
مُقیّش کے جھڑتے ہیں پڑے تار جھپک سے — دریائی و گوٹے و کناری کی جھمک سے
کیا ہاتھ میں کافر کے جھمک دار ہی پنکھا!

(۹) اِک دم تو مری جان ترے پنکھے کی ہوا لوں — گرمی جو کلیجے کی ہی ٹک اُس کو نکالوں
آنکھوں سے ملوں، پیار کروں، چھاتی لگالوں — گر حکم کرے تو تو، مری جان، اُٹھالوں
اک چار گھڑی کو مجھے درکار ہی پنکھا

(۱۰) اس دُھوپ میں، ای جاں، کہیں مت پانو نکالے — جلتی ہی زمیں آگ سی، پڑ جائیں گے چھالے
گرمی ہی، ذرا تن کے پسینے کو سُکھالے — آنکھوں میں مری بیٹھ کے ٹک سرد ہو لے
دیدار کا تیرے ہی طلب گار ہے پنکھا

(۱۱) رکھتی ہی ترے حُسن سے سامانِ چمن چشم[1] — صُورت سے تری رہتی ہیں نت اُس کی لگن[2] چشم
سُوراخ سے، ہر جال سے، ہر لہر سے بن چشم — دیکھے ہی ترے مُنھ کو یہ ہو کر ہمہ تن چشم
یاں تک تو ترا طالبِ دیدار ہی پنکھا"

(۱۲) ہی یہ وہ ہوادار جہاں اِس کا گذر ہو — پھر گرمی تو واں اپنے پسینے میں چلے رو
کرتا ہی خوشی رُوح کو، دیتا ہی عَرَق کھو — رکھتا ہی سدا اپنے وہ قبضے میں ہوا کو
سچ پوچھو تو کچھ صاحبِ اسرار ہی پنکھا

(۱۳) لے شام سے، گرمی میں، سدا تا بہ سحر گاہ — رہتا ہی ہر اک وقت پریزادوں کے ہمراہ

[Margin note:] تری رکھتی ہی

[1] توقع۔ اُمید [2] پنکھے کی

عاشق کے تئیں اُس کی بھلا کیونکہ نہو چاہ
پھولوں کی گندھاوٹ سے اب اُس گُل کا نظیرا

رشکِ چمن و حسرتِ گلزار ہے پنکھا

نظم نمبر ۶۷

کورا برتن

گرہ بند

(۱) کورے برتن میں پانی کی پہلی بوند

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی
جس سے کِھلتی ہے ہر کلی تن کی
بُوند پانی کی اُن میں جب کھنکی
کیا وہ پیاری صدا ہے "سَن سَن" کی!

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۲) کورے برتن کا پانی۔

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات
قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جبکہ آیا ہات
پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کُورے برتن کی!

(۳) گولی

وہ جو پانی کی کوری گولی[1] ہے
وہی آنے کے مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے
کیا کہوں[2] گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۴) پانی کی گولیاں

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں
ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں
دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

[1] گولی ایک خاص قسم کا مٹکا۔ دور میں کم۔ بلندی میں زیادہ۔ گولی چھوٹا گول دگول کی تصغیر۔ [2] کیا کہوں۔ اگرچہ میں نے لینے کو تو لے لی ہو مگر اس کی حقیقت اور پوری صفت بیان کرنی مشکل ہے۔ ایک معنی تو یہ ہوئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک گولی دگولی گولی ہے ٹھنڈی دوا کی گولی ہو تیسرے معنی یہ۔ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ صاف تو بات ہے کہ گولی ہی گولی ہے۔ ایک نہیں ہزار بار گولی ہے۔

واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۵) مٹکا

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا
لے گیا جان پانو کا کھٹکا
اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
دل گھڑے کی طرح سے وے ٹپکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۶) ٹھلیا لوٹا

کوری ٹھلیا یہ دیکھ کر لوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا
دل لگا ہونے کچھ کھرا[1] کھوٹا
جس نے دیکھا، اُسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۷) کوزے

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں
کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۸) جھجھر

وہ جو کورا، سفید جھجھر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے
جس کی جاگیر ملکِ جھجھر ہے
تاش، کمخواب، یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۹) صراحی

جس صراحی میں سرد پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے
موتی کی آب پانی پانی ہے
دوستو، یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

[1] دل کھرا کھوٹا ہونے لگا یعنی دل میں خیالاتِ فاسد پیدا ہونے لگے۔

(۱۰) کورے برتن کا رتبہ مذہب کی رو سے —

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں
اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھولؔ پان دھرتے ہیں
وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

پان پھول

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۱۱)

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول، ہار چڑھتے ہیں
حُور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

(۱۲) کورے اور جوجرے کا تفرقہ

کوروں پر جو نظیرؔ جوبن ہے
جو جرےؔ[۱] میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے
وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی!

نظم نمبر ۶۸ - آگرے کی ککڑی

گرہ بند

(۱)

پہنچے نہ اُس کو ہرگز کابل درّےؔ[۲] کی ککڑی
نے پُورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نے ورے کی ککڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اُس سے پرے کی ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

(۲) چند مزے دار پھبتیاں

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
گنّے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں[۳] ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں
مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

[۱] جو جرا مستعمل برتن ٹوٹا ہوا برتن یکا شو جوسے وہ دن کہاں کہ مست راند از خم میں تھے + سب اب تو جو جرا ہی شکستہ سبو کی طرح + [۲] کابل درہ یعنی درہ کابل

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی!

(۳)
کوئی ہے زردی مائل، کوئی ہری بھری ہے
پکھراج منفعل ہے، پنّے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر[۱] کی ہری ہے
سیدھی ہے سو وہ یارو، رانجھا کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی!

(۴)
میٹھی ہے جس کو برفی کہیے، گلابی کہیے
یا حلقے دیکھ اُس کے تازی جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں اب یا اِمرتی کہیے
سچ پوچھیے، تو اِس کو دندانِ مصری کہیے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی!

(۵) افعال و خواص
چھونے میں برگ گل ہے، کھانے میں کرکری ہے
گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک، ہری بھری ہے
ککڑی نہ کہیے اس کو، ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی!

(۶) بیل — بیج نرمی — باریکی — گلابی —
بیل اُس کی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی
بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھ اُس کی ایسی نرمی باریکی اور گلائی
آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی!

(۷) مختلف خریدار مختلف مصرف
لیتے ہیں مول اُس کو گل کی طرح سے کھل کے
معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے
معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

[۱] ہیر رانجھا پنجاب کے لیلیٰ مجنوں ہیں۔

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافراسکندرے ککڑی!

(۸) ککڑیاں جالیوں سے کم نہیں	مشہور جیسے ہر جا یاں کی جمالیاں ہیں	ویسی ہی ککڑی نے بھی دھوم یہ ڈالیاں ہیں
	میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی تھالیاں ہیں	کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی!

(۹)	جو ایک بار، یارو، اس جا کی کھائے ککڑی	پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
	دل تو، نظیر، غش ہے یعنے منگائے ککڑی	ککڑی ہے یا قیامت، کیا کہیے ہائے ککڑی!

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی!
اور جس میں خاص کافراسکندرے کی ککڑی!

نظم نمبر ۶۹

تربوز

(۱)	کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز	کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
	دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز	جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز

اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

(۲) طرزِ استعمال	کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش اوس میں دھر	تاکہ سینہ ہو خنک سردی سے ٹھنڈا ہو جگر
	کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر	کتنے بیجوں کو سٹکتے ہیں خوشی ہو ہو کر

کتنے کھاتے ہیں کفایت سے منگا کر تربوز

(۳) کیفیتِ سردی و شیرینی	میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے	ہونٹھ چپکے ہیں جدا، دانت ہیں کر کر بجتے

۱ جالی ایک قسم کا خربوزہ جس کا گودا سرخ ہوتا ہے۔ آگرے کے خربوزے بہت عمدہ ہوتے ہیں خصوصاً وہ جن کا گودا سبز ہوتا ہے۔ یہ مصری کی کرکراہٹ اور مصری ہی کا مزہ ۔ سے ۲ اوس یعنے شبنم میں رکھ کر۔

شب کو دو چار منگا کر جو تراشے مین نے
کیا کہوں میں وہ مٹھائی مین کہ کیسے نکلے
کوئی اولا، کوئی مصری، کوئی شکّر تربوز

(۴)
مُجھ سے کل یار نے منگوایا جو وے کر پیسا
اُس کے کاٹے کے جو لگائے تو وہ کچّا نکلا
دیکھ تیوری کو چڑھا، ہو کے غضب، طیش مین آ
کچھ نہ بن آیا، تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا:
"کیوں بے لایا ہی اُٹھا کر یہ مرا سر تربوز؟"

(۵)
جب کہا میں نے "میاں یہ تو نہیں ہی کچّا
اور کچّا ہی، تو میں پیٹ میں میٹھا تو نہ تھا"
اِس کے سُنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پاٹی جو نہ پائی، تو پھر آخر جھنجلا
کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

(۶) معشوق کے کوسنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی شکایت —
کیوں[۱] میاں، ہم کو جو تم کرتے ہو لگڑی کھیرا
کوسنا ہر گھڑی ہی ہر آن کا ہوتا ہی بُرا
تُم کو تو پڑ گیا اپنے کا رقیبوں سے مزا
جُھوٹی قسمیں یہ مرے سر کی جو کھاتے ہو بھلا
کیا مرے سر کو کیا تم نے مقرر تربوز؟

(۷) چھلکے کی ٹوپی سر پر —
پیار سے، جب ہی وہ تربوز کبھی منگواتا
چھلکا اُس کا مجھے ٹوپی کی طرح دے ہی پنھا
اور یہ کہتا ہی کہ "دو پھینکا تو چکھاؤں گا مزا"
کیا کہوں، یارو میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا
دو دو دن رکھے ہوے پھرتا ہوں سر پر تربوز

(۸) شہیدوں کے سروں کا انبار
ایک بیدرد ستمگر ہی وہ کافر خونخوار
قتل کرتا ہی عزیزوں کے تئیں لیل و نہار
کل مرا اُس کی گلی میں جو ہوا آ کے گذار
اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار
جیسے بازار میں تربوز کے اُوپر تربوز

(۹) شہید تربوز بن کر نکلتے ہیں —
تھی جنھیں آگے ترے قند سے ہونٹوں کی لگن
آرزو ہی میں وہ سب مر کے ہوے خاک سیاہ
اُن شہیدوں کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہی، واللہ
بوسے لینے کی تمنا میں تہِ خاکِ سیاہ
وہی حسرت زدہ اب نکلے ہیں بنکر تربوز

[۱] اس سے پیشتر کے بعض بند چھوٹے ہوے ہیں۔

(۱۰) تربوز کی پہیلی

رات اُس شوخ سے میں نے یہ پہیلی میں کہا
دو بھیگی بکری، کسے کہتے ہیں، بتاؤ تو بھلا؟
اس پہیلی کے تئیں سُن کے بڑے سوچ میں آ
جب نہ سمجھا تو کہا ہار کے "اب تو ہی بتا"
سن کے جب میں نے کہا "ای مرے دلبر! تربوز"

(۱۱) تربوز پر رشک

اب تو اُس شوخ کا تربوز ہی لوٹے ہی مزا
وہ تو ٹھنڈا ہی وے میرا جگر ہی ٹھنڈا
رونا کس طور نظیرؔ اب نہ مجھے آوے بھلا؟
پھانک بیجوں کی بھری لے ہی وہ جب مُنہ سے لگا
تب لپٹ جاتا ہی کیا پیار سے ہنسکر تربوز

نظم نمبر ۷

نارنگی

(۱)

اب تو ہر باغ میں آئی ہی پھلی نارنگی
ہی ہر اک پیڑ پہ مصری کی ڈلی نارنگی
حُسن والوں کے بھی سینے کی پھلی نارنگی
دیکھ کر اُس کی وہ انگیا کی پلی نارنگی
ہم نے تو آج یہ جانا کہ چلی نارنگی

(۲)

سیر کو باغ کی جاتی ہی وہ چنچل جو ذرا
کھا کے نارنگیاں پھینکے ہی وہ ہم پر چھلکا
سامنے اپنے وہ بازار سا گولوں کا لگا
دم بہ دم چھیڑ سے کہتی ہی یہ، انگیا کو دکھا:
"تم نے پیسے کی کبھی ہم سے نہ لی نارنگی"

(۳)

جب نظر آئی بے مجھے شوخ کے سینے کی بہار
کھٹا میٹھا سا لگا ہونے مرا دل اک بار
جا پڑا ہاتھ جو سینے کی طرف کھو کے قرار
اس قدر تھیں وہ کچیں شوخ ستم گر کی طیار
جس قدر سیب ہو، یا جیسے بھلی نارنگی

(۴)

مل گیا ہم کو جو کل ایک مکاں خلوت کا
باغباں کی نہ اٹک، اور نہ کسی کا خطرا
کیا کہیں، شب تو عجب عیش کا لوٹا وہ مزا
ہر گھڑی اُس شجرِ حُسن کو چھاتی سے لگا
کیا ہی بوسے لیے اور کیا ہی + + + نارنگی!

(۵)

جن دنوں شوخ کے عالم کا نیا موسم تھا
جب ہی مل لیتے تو دل کیا ہی سدا پھل پاتا

اب جو وہ وقت گیا تو ہی یہی حیف آتا | آہ! اس ہاتھ سے اُس حسن کی ڈالی کو جھکا

ہم نے افسوس، جبھی توڑ نہ لی نارنگی

(۶) جب سے آئی ہے نظر شوخ کچوں کی تصویر | جب سے لگتے ہیں وہ لوگوں کے جگر میں سے تیر
دل بھی سینے میں تڑپتا ہے نظر ہوگی اسیر | سنگتروں کی نہ ہوس ہے، نہ ہے کولوں کی نظیر

اب تو سب سے ہمیں لگتی ہے بھلی نارنگی

نظم نمبر ۱۰

مکھیاں

تضمین

(۱) یارو، میں چپ رہوں بھلا تاکہ؟ | مکھیاں تو بہت ہوئیں درپے
چلے آتے ہیں غول، پے در پے | شور ہے، غل ہے، بھنبھناہٹ ہے

کوئی ٹھوکے، کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۲) سب پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا | کھا کے پھر قے کر گیا پچانے کا
کوئی پینے کا، اور نہ کھانے کا | یہ برا حال ہے زمانے کا

سخت مشکل، بڑی خرابی، ہے!
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۳) دو چنوں سے جو منھ چلاتا ہے | اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے | اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے

اس نے اللہ جانے کھائیں کر
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۴) کپڑے اُجلے ہیں، یا کہ میلے ہیں | سب پہ گو مکھیوں کے پھیلے ہیں

سر سے تا پا سڑے پچیلے ہیں — آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے[۱] ہیں
اُڑ گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۵) دلبروں کی یہ شامت آئی ہے — آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
ٹھوڑی، بھوں، آنکھ سب سجائی ہے — حُسن کی بھی یہ بدنمائی ہے
رہ گئی رنگ روپ کی سب رَئی[۳]
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۶) رنڈیاں کسبی اب جو گاتی ہیں — مکھیاں منھ میں بیٹھ جاتی ہیں
دم بدم تھوکنے کو جاتی ہیں — کھانس، کھنکھار سر ہلاتی ہیں
تو بھی بندھتی نہیں ہے اُن کی لَے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۷) طبلے والے تو کچھ اُڑاتے ہیں — تال والے بھی کھٹکھٹاتے ہیں
ڈھول والے بھی کچھ ہلاتے ہیں — اُن کی کم بختی جو بجاتے ہیں
بھونپو، نرسنگا اور ترئی قرنی[۲] (اور ترئی)
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

(۸) کپڑا جن کا پھٹا پُرانا ہے — وہ تو کُل مکھیوں نے سانا ہے
پائجامہ تمام چھانا ہے — باقی اندر کا پیٹھ جانا ہے
وہ بھی منزل وہ اب کریں گی طے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

۱؎ بھیلے بالکسر گڑ کا ڈھیلا پانچ چھ سیر کا۔ بھیلا گڑ کا بڑا ڈھیلا جو وزن میں پانچ چھ سیر سے کہیں زیادہ ہو۔ گڑ کی چٹان
۲؎ بفتح پرانا تلفظ ہے اور غیر فصیح ۳؎ رَئی رونق۔ بہار۔ کیفیت۔

(۹)
دودھ میں مکھیاں ہی دابی ہیں — کھانے میں مکھیاں ہی چابی ہیں
پانی میں تو یہ مُرغ آبی ہیں — الغرض جو بڑے شرابی ہیں

وہ بھی سب اوٹ گئے ہیں پی کر مو
اس قدر دُھوم مکھیوں کی ہے

(۱۰)
کوئی اوکے ہے روٹیاں کھا کر — کوئی ڈالے ہے پانی مبتلا کر
کوئی کھانسے ہے خالی اُبکا کر — حد تو یہ ہے کہ سخت گھبرا کر

... میں بھی کرے ہے ... قَے
اس قدر دُھوم مکھیوں کی ہے

(۱۱)
ہے نظیر اب تو شاں میں مکھی — گھر کے ہر اک مکان میں مکھی
شہر کی ہر دکاں میں مکھی — بھر گئی سب جہاں میں مکھی

کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دُھوم مکھیوں کی ہے

نظم نمبر ۲۷
آندھی

(۱)
نہو کیونکر جہاں، یار وزیر اور زبر آندھی میں — کہ ہو کر باولے پھرتے ہیں بن کے شیر آندھی میں
لگا یہ تیسے جو گل دامن ہوا کا گھیر آندھی میں — بگولے اُٹھ چلے تھے، اور نتھی کچھ دیر آندھی میں

بھولے

کہ ہم سے، یار سے آ ہو گئی مٹ بھیر آندھی میں

(۲)
کہا میں نے ”اجی! کچھ خیر ہے، جاتے ہو تم کیدھر — ہوا پر بھی تمھیں کچھ ہے نظر، اے نازنیں دلبر
چلو، بھاگو شتابی، ورنہ آندھی آ گئی سر پر — جتا کر خاک کا اُڑنا دکھا کر گرد کا چکر

سلہ اوکنا قے کرنا سلہ شان شہد کی مکھیوں کے چھتے کو کہتے ہیں سلہ یعنے کل کے روز جب ہوا کا دامن اُڑنا کے سبب اس قدر وسیع ہوا کہ ہم اسمیں گھر گئے اور نکلنا دشوار ہوا۔ یعنے آندھی عالمگیر ہو گئی اور ہم آندھی میں بالکل گھر گئے۔

وہیں ہم لے چلے اُس گل بدن کو گھیر آندھی میں

(۳)
یہ سنتے ہی بپھری ڈر کر وہ چنچل، نازنیں گلرو
گر اِس میں آ کے اک جھوکا اندھیرا کر گیا، یارو
چلی اِس حال سے اُس دم کہ میرا جی گیا غش ہو
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے "ہائے یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں!!"

چال

(۴)
یہ کہکر کھڑکھڑا تیغ و سپر اور مل کے سب دوڑے
کہاں کا وہ بھلا، اور کس کا لینا، ہم جو دھر بھاگے
پکارے "لے چلو، جانے نہ پاوے، اِس کو جلدی سے"
وہ دوڑے تو بہت، لیکن اُنھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اُس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں

(۵)
چلے اس میں ہوا کے پھر تو آ کر اور سنّاٹے
انھیں جھوکوں میں ہم نے اُس پری چنچل کو جلدی سے
اندھیرا ہو گیا یکسر، منوں خاکیں لگیں اُڑنے
چڑھا کوٹھے پہ، دروازے کو موند، اور کھول کر پردے
لگا چھاتی لیے بوسے، کیا ہت پھیر آندھی میں

(۶)
ادھر تو آ کے آندھی سے اندھیرا ہو گیا ہر سو
اہاہاہا! عجب عشرت کی اِس دم بہہ گئی اک جُو
خبر کس کو کسی کی، میں کہاں ہوں، اور کہاں ہے تو
وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گلرو
عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں

(۷)
اُسی آندھی نے گلشن کر دیا یارو مرے گھر کو
صُراحی کی خبر لی، اور سنبھالا جا کے ساغر کو
بچھایا شاد ہو میں نے پلنگ پر جھاڑ بستر کو
اُٹھا کر طاق سے شیشہ، لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں

(۸)
چمن سا کھِل گیا، یارو، مرے کوٹھے کے زینے پر
لگے پھر عیش و عشرت جب تو ہونے اس قرینے پر
ہوئی پنکھوں کی مارا مار گرمی کے پسینے پر
کبھی بوسہ، کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پر
لگے سے لینے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں

(۹)
یہ ٹھہرا جب، تو پھر واں عیش کے بادل لگے گھرنے
لپٹ کی ٹھہری، اور بھی ہاتھ سینے پر لگے پھرنے
جو ڈوبی حسرتیں تھیں دل میں سب اُس دم لگی ترنے
مزے، عیش و طرب لذت سے لگے یوں لوٹ کر گرنے

کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہوویں ڈھیر آندھی میں

(۱۰) اُس آندھی میں اہاہاہا! عجب ہم نے مزے مارے
خلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی ہیں اب خواری، خرابی کیا لکھوں بارے
تلے کوٹھے کے بیٹھے اٹ گئے سب گرد کے مارے

بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

(۱۱) کسی نے بھاگ کر جلدی سے جا گھر کا لیا آنگن
گرا کوئی گڑھے میں، اور کوئی بھاگا کہیں دشمن
کسی کے چھن گئے کپڑے، اُچکوں کی گئی واں بن
کسی کی اُڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن

گئی ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

(۱۲) یہ دن آندھی کے، یارو، یوں تو سب کے ہوش کھوتے ہیں
جنھیں ہیں عیش، وہ آندھی میں سوتی سے پرستے ہیں
مزا ہو جن کو ہنستے ہیں، جنھیں غم ہو سو روتے ہیں
نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں

سپاں، ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

نظم نمبر ۲۳

جاڑے کی بہاریں

(۱) جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

چلا غم ٹھوک اُچھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۲) دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو، اور دل سے ہوتی کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھپھو ہو ہو ہو، کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّے پر کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکی سی

ہر دانت چنے سے دلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۳) ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو، ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
پیٹھی ہو سردی رگ رگ میں، اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ[۱] پڑتی ہو، اور تس پر لہریں لے لے کر

سناٹا باؤ کا چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

[۱] مہاوٹ ماگھ کی بارش کو کہتے ہیں۔

(۴) ہر چار طرف سے سردی ہو، اور صحن کُھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا، ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا، اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا، ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۵) جب ایسی سردی ہو اے دل تب زور مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو، اور کہنی چٹکی لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں، کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۶) ہو فرش بچھا غالیچوں کا، اور پردے چھوٹے ہوں آکر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو، اور شمع ہو روشن، اور تس پر
وہ دلبر، شوخ، پری، چنچل ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۷) ترکیب بنی ہو مجلس کی، اور کافر ناچنے والے ہوں
منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں، تن اُن کے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی، اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالہ چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۸) ہر ایک مکاں ہو خلوت کا، اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو، سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیر اُس کی چھب کو ہر آن، ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آکر جس جس ارماں کی باری ہو
جب سب ارماں نکلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظم نمبر ۴۷

تل کے لڈو

(۱) جاڑے میں پھر خدا نے کھلوائے تل کے لڈو
ہر ایک خوانچے میں دکھلائے تل کے لڈو
کوچے گلی میں ہر جا بکوائے تل کے لڈو
ہم کو بھی ہیں گے دل سے خوش آئے تل کے لڈو
جیتے رہے تو، یارو، پھر کھائے تل کے لڈو

(۲) عمدوں نے سو طرح کی یاقوتیاں بنائیں
لونگوں میں دار چینی، شکر میں سب ملائیں

سردی میں، دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں
اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں
ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈّو

(۳) رکھ خوانچے کو سر پر پیکار یوں پکارا
جاڑا لگے، تو اُس کا کرتا ہوں میں اجارا
"دو بادام بھونا چابو، اور گرگرا چھہارا
جس کا کلیجہ، یارو، سردی نے ہووے مارا
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈّو"

خونچے

(۴) جاڑا تو اپنے دل میں تھا پہلواں جھجھاڑا
جس دم دل و جگر کو سردی نے آ لتاڑا
پر ایک تل نے اُس کو رگ رگ سے ہے اُکھاڑا
خم ٹھوک دوں ہیں ہم نے جاڑے کو دھر پچھاڑا
تن پھیر ایسا بھیگا جب کھائے تل کے لڈّو

(۵) کل یار سے جو اپنے ملنے کے تئیں گئے ہم
محبوب ہنس کے بولا، حیرت میں ہو رہے ہم؟
کچھ پیڑے اُس کی خاطر کھانے کو لے گئے ہم
"پیڑوں کو دیکھ دل میں ایسے خوشی ہوئے ہم"
جب خوش ہوا، وہ اُس نے جب پائے تل کے لڈّو

(۶) جو +++ اس ہوا میں مفلس ہے تھوڑی تھوڑی
کہتی ہے +++ سے +++ بھی میں نے چھوڑی
بجتے ہیں دانت اُس کے، اور کانپتی ہے ٹھوڑی
جاڑے کے مارے اب تو مرتی ہوں میں نگوڑی
جی جاؤں، تو جو مجھ کو کھلوائے تل کے لڈّو

(۷) یہ بات +++ سُن کے اُس کا لگا سنانے
کچھ میراتن بھی اب تو لاگا ہے تھرتھرانے
جاؤں تو جاڑا مجھ کو پھر یہاں نہ دے گا آنے
سو سو کیے بہانے، پر آہ! کب وہ مانے
آخر کو اُس نے اُس سے منگوائے تل کے لڈّو

(۸) جب ہاتھ آئی اُس کی انگیا کی نرم بٹی
جب گل بدن سے ہنس کر بولا: کہوں میں کیا جی
لگتے ہی ہاتھ نکلی رگ رگ کی ساری سردی
کچھ ان کچوں سے ایسی سینے میں آگ بھڑکی
گویا کہیں سے میرے ہاتھ آئے تل کے لڈّو

سلہ جھجھ بڑی لمبی گھنی داڑھی۔ جھجھاڑا یعنی لمبی گھنی ڈاڑھی والا۔ ڈاڑھی سے چوں کہ چہرے پر ایک خاص قسم کی شوکت اور رعب آ جاتا ہے لہٰذا پر شوکت پر رعب

(۹)
وہ + + + کہ جن کا ٹوٹا سا جھونپڑا ہے
ہر ایک جھونپڑے سے نکلے یہی صدا ہے:
یوں کانپتی ہیں ان پر جاڑا گویا چڑھا ہے
دو پیڑا جلیبی، برفی لایا تو آہ! کیا ہے
+ + + وہی بڑا ہے جو لائے تل کے لڈو،

(۱۰)
جاڑے میں جس کو ہر دم پیشاب ہے ستاتا
اُس کی دوا بھی کوئی پوچھو حکیم سے جا
اُٹھیں تو جاڑا لپٹے نہیں + + + نکلا جاتا
تبلائے کتنے نسخے، پر ایک بن نہ آیا
آخر علاج اُس کا ٹھہرائے تل کے لڈو

(۱۱)
جاڑے میں اب جو، یارو، یہ تل گئے ہیں چھوٹے
دل لے لیا ہمارا تل شکریوں کے روٹے
محبوبوں کے بھی تل سے ان کے مزے ہیں دونے
یہ بھی، نظیر، لڈو ایسے بنائے تو نے
جو سُن کے اس کی لذت گھبرائے تل کے لڈو

چوتھا باب تصوف

ردیف الف

نظم نمبر ۵۷

عاشقوں کی بھنگ[1]

گرہ بند

(۱)
دنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا
عاشق تو یہ سمجھے ہیں اب دل میں بنا ڈنکا
برباد ہوئے لشکر، فوجوں کا تھکا ڈنکا
جو بھنگ پئیں ان کا بجتا ہے سدا ڈنکا
کونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۲)
الفت کے زمرد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے
منہ حسن کے لگی اُس سے پھر کا ہے کو چھوٹی ہے
پتوں کی چمک اُس کے کمخواب کی بوٹی ہے
یہ تان ٹکورے[2] کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

[1] اس نظم میں آزادوں کی زبان میں عشق حقیقی کا بیان ہے [2] ٹکور، نوبت کی آواز۔

گونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نِت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۳)
ہر آن کھڑا کے سے اِس ڈھب کا لگا رگڑا　　جوسُن کے کھڑک اس کی ہو بند سبھی ڈگڑا[۱]
چکان[۲] چڑھا گھرا اور باندھ ہرا پگڑا[۳]　　کیا سیر کی ٹھہرے گی ٹک چھوڑ کے یہ جھگڑا

گونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نِت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۴)
اک پیالے کے پیتے ہی ہو جاوے گا متوالا　　آنکھوں میں تری آ کر کھِل جائے گا گل لالا
کیا کیا نظر آوے گی ہریالی[۴] و ہریالا[۵]　　آمان کہا میرا، اے شوخ سنئے لالا

گونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نِت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۵)
ہیں مست وہی پورے جو گونڈی کے اندر ہیں　　دل اُن کے بڑے دریا، جی اُن کے سمندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بُت ہو اور جھومتے مندر ہیں　　کہتے ہیں یہی ہنس ہنس عاشق جو قلندر ہیں

گونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نِت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

(۶)
سب چھوڑ نشہ، پیارے، پیوے تو اگر سبزی　　گر جاوے وہیں تیری خاطر میں اثر سبزی
ہر باغ میں، ہر جا میں[۶] آ جاوے نظر سبزی　　تیری بھی، نظیر، اب تو سبزی میں ہے سر سبزی

(حاشیہ: خاطر میں تیری)

گونڈی کے نقارے پر خُتکے کا لگا ڈنکا
نِت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

[۱] ڈگڑا — بڑی راہ - بڑی سڑک - شاہ راہ - شارعِ عام - تو ڈگڑے میں کی بیریاں ترے بیر کو بیر ترے تلے کو ڈھولا نکلا - تان نے رکھا کیوں گھیر؟
[۲] چکان، گاڑھی گھٹی ہوئی بھنگ - چھان چھان رے چکان - شوبھے بار (دروازہ) نہ مکھان (مکان) (بھنگڑوں کا مشہور فقرہ) [۳] پگڑی کا آزادانہ لہجہ
[۴] سبزی - دُوب [۵] سبز - ہرا - وہ مقام جہاں ہری گھاس لہلہا رہی ہو - ایک چڑیا کا نام -

نظم نمبر ۶۷

موت

موت سے کسی کو مفر نہیں

(۱) فرقِ موت

دُنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مرگیا
دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مرگیا
عاقل تھا، وہ تو آپ کو سمجھا کے مرگیا
بے عقل چھاتی پیٹ کے، گھبرا کے مرگیا
دُکھ پا کے مرگیا، کوئی سُکھ پا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۲) لشکری

دن رات دُن مچی ہی رہیاں، اور پڑی ہی جنگ
چلتی ہیں نت اجل کی سناں، گولی، اور تُفنگ
جس کا قدم بڑھا، وہ مُوا وہیں بے درنگ
جو جی چھُپا کے بھاگا، تو اُس کا ہوا یہ رنگ
وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۳) گویا و خاموش

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو و کُل
یا چُپ گذاری عُمر و یا دُھوم کر چُہل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گُل
کام آئی کُچھ کسی کو خموشی، نہ شور و غُل
چُپکے کوئی مُوا، کوئی چِلّا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۴) عشرت دوست عیاش

گر لاکھ عشرتوں سے رہی دل میں دُھوم دھام
یا سو مُصیبتوں سے ہوا غم کا ازدحام
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام
+ + + سڑی کے غم میں کوئی ہو گیا تمام
کوئی حُور، پریاں چھاتی سے لپٹا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۵) نمازی شرابی

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک، باوضو
کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بکو
ناپاکی، پاکی موت سے کے ٹھہری نہ رُوبرو
کوئی عبادتوں سے مُوا ہو کے سُرخ رو

ناپاک، رُوسیاہ بھی پچتا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۶) کامل فقیر

کر دل کے آئنے کے تئیں صاف ایک بار
کشفِ قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گذار
کام آئی روشنی، نہ کرامات کی بہار
کامل فقیر، خلق میں کہلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۷) متمول مفلس

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا
یا مفلسی میں ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا
سُوکھی، کسی نے، روٹی چبا غم میں جی دیا
قلیہ، پلاؤ، زردہ کوئی کھا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۸) خوش لباس چیتھڑوں کو محتاج

پہنا کسی نے خُوب لباس عطر کا بھرا
یا چیتھڑوں کی گُدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا
پولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکان، محل کوئی بنوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۹) سالک، بینوا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں
یا بینوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مُرشدِ اجل کا قدم آیا درمیاں
کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں
مُونچھیں، بھویں تلک کوئی مُنڈوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۱۰) ذی عزت - بے وقعت

گر ایک بے وقار ہوا، ایک قدر دار
سر پر لگا جب آن کے تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی، کسی کا نہ کچھ وقار
تھا بے حیا، سو وہ تو مُوا کھو کے ننگ و عار
اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مرگیا

جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۱۱) کوئی موٹی چاپتا تھا، کوئی موٹھ اور مٹر
جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری، نہ کچھ تخت اور چھتر
یہ خاک پر مُوا، وہ مُوا تخت کے اُپر
تھی جیسی جس کی قدر، وہ بتلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

ٹھوٹی[۱]

(۱۲) عاشق و معشوق
عاشق ہو گر کسی نے کسی گُل کی چاہ کی
عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آکر لگن لگی
معشوقی کام آئی کسی کی نہ عاشقی
دل بر بھی اپنے حُسن کو چمکا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۱۳) کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی اُلفتوں کی چاہ
جو جسم و جان ایک ہوئے اُن کے، واہ واہ!
عاشق مُوا تو مرگیا معشوق خوامخواہ
معشوق مرگیا تو وہ عاشق بھی کر کے آہ!
اُس گل بدن کی قبر اُپر جا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۱۴) کیا کالی، پیلی شکل کے، کیا گورے گُل عذار
عاشق کوئی ہے، اور کوئی معشوقِ طرح دار
عاقل، حکیم و عامل و فاضل، رسالدار
پنڈت، نجومی، بید، چہ ناداں چہ ہوشیار
دو دن کی شان ہر کوئی، دِکھلا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

(۱۵) اشراف اونچی ذات والے
کیا اونچی ذات پات کے اشراف کیا نجیب
قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے نہ ہوئی نصیب
جس دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی جیب
کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب
کوئی غزا نے خاک میں گڑوا کے مرگیا

کسی کو نہ

ے[۱] ٹھوٹی (اصح ٹھڈی) خشک اور سخت غلہ مثلاً سوکھے چنے سوکھے مٹر۔

جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۱۶) مرنے سے پہلے مرگئے جو عاشقانِ زار
کیا کاتبانِ اہلِ قلم، خوش نویس کار
وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر برقرار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مرگیا، کوئی لکھوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

(۱۷) پیر و مُرید، شاہ و گدا، میر اور وزیر
مُفلس غریب، صاحبِ تاج و علم سریر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
کوئی ترس ترس کے مُوا غم میں اے نظیرؔ
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آکے مرگیا

نظم نمبر ۷

دنیا میں کسی حالت کو بقا نہیں.

استغنا

(۱) عاشقی معشوقی
کی وصل میں دلبر نے عنایات، تو پھر کیا؟
غصہ رہا یا پیار سے کی بات، تو پھر کیا؟
یا ظلم سے دی ہجر کی آفات، تو پھر کیا؟
گر عیش سے عشرت میں کٹی رات، تو پھر کیا؟
اور غم میں بسر ہوگئی اوقات، تو پھر کیا؟

(۲) دل کو اگر ہم نے لگایا
مجنوں کی طرح ہم نے اگر دل کو لگایا
دل ہم نے بھی لیلی کی طرح دل کو لبھایا
بے چین کیا رُوح کو، اور تن کو سکھایا
جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا
قصوں میں رہے حرف و حکایات، تو پھر کیا؟

(۳) جوانی
جس شوخِ پریزاد کی آدل سے ہوئی چاہ
ہنسنا بھی ہُوا، باتیں بھی اچھی ہوئیں دلخواہ
ہر طور ملے اُس سے، رہے عیش کے ہمراہ
حد بوس و کنار اور جو تھا اُس کے سوا، آہ!
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات، تو پھر کیا؟

(۴) حسن

تھے وہ جو دُرِ ولعل سے بہتر لب و دنداں
آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملتا ہو بھلا خاک کے درمیاں
دو دن اگر ان آنکھوں نے دُنیا میں، مری جاں
کی نازو اداؤں کی اشارات، تو پھر کیا؟

(۵) سلطنت

دُنیا میں اگر ہم کو ملا تختِ سُلیماں
تابع رہے سب جنّ و پری آدم و مُرغاں
جب تن سے ہوا ہو گئی وہ پودنے سی جاں
پھر اُڑ گئی اِک آن میں سب حشمت و سب شاں
لے شرق سے تا غرب لگا ہات، تو پھر کیا؟

نف ایک

(۶)

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر
اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت، نہ افسر
اسپ، و شتر، و فیل، و خرو، نوبت، و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات، تو پھر کیا؟

(۷) کمالِ فقر

کامل ہوا گر روشنی کی دل کی اندھیری
اور باگ تصرف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل پھر نہ چلی میری نہ تیری
آخر کو جو دیکھا تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات، تو پھر کیا؟

(۸)

طائر کی طرح سے اُڑے ہم گرچہ ہوا پر
یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سا لگا کر
دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہوئے تر
جب آئی اجل، آہ! تو اک دم میں گئے مر
گر یہ بھی ہوئی ہم میں کرامات، تو پھر کیا؟

(۹)

حُجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش
اور چلہ کشی کر کے ہمیشہ رہے دل ریش
عابد ہوئے، زاہد ہوئے، مُرتاض، حق اندیش
جب آئی اجل ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات، تو پھر کیا؟

(۱۰) مے خواری

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مستِ خرابی
ہونٹوں سے جُدا کی نہ کبھی مے کی گلابی
کی لاکھ طرح عشق کی مستی و خرابی
جب آئی اجل، پھر وہیں اُٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہلِ خرابات، تو پھر کیا؟

نف مستِ خرابی
عیش

(۱۱) جھاڑ پھونک۔ دُعا۔ تعویذ

عامل ہوئے، ہم لکھ کے اگر نقشِ ازل سے
جب آئی اجل، پھر نہ چلا زور اجل سے

لوگوں کو بچانے لگے بُھوتوں کے خلل سے
دو دن کو جو تعویذ فلیتا و عمل سے (وظیفہ)

تسخیر کیا عالمِ جنات، تو پھر کیا؟

(۱۲) ریاضی

پڑھ علمِ ریاضی جو مُنجّم ہوئے دُھومی
آخر کو اجل سر کے اُپر آن کے گھومی

پیشانی سہ و زہرۂ و برجیس کی چومی
اس عمرِ دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی

سب چھان لیے ارض و سموات، تو پھر کیا؟

(۱۳) طب

گر ہم نے اطبّا ہو طبابت کی رقم لی
جب سر کے اُپر مرگ نے آ ڈالدی کملی

چیز اَور سوا طب کے سرانجام کے کم لی (جسم)
اک دم میں ہوا ہو گئی سب نظری و عملی

تھے یاد جو اسباب و علامات، تو پھر کیا؟

(۱۴) منصب و جاگیر۔ دریوزہ گری

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا؟

اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا

وہ مانگتا در در پھرا خیرات، تو پھر کیا؟

(۱۵) دولت

دُنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈھے ہے کوئی جاہ

سب زر کے طلب گار ہیں ہے ماہی سے تا ماہ
دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیر آہ!

بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات، تو پھر کیا؟

نظم نمبر ۸۷

دُنیا کے مراتب قابلِ اعتبار نہیں

استغنا

(۱) سلاطین

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا، تو پھر کیا؟
ماہی، علم، مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا؟

اور بحرِ سلطنت کا گوہر[۱] ہوا تو پھر کیا؟
نوبت، نشان، نقارہ در پر ہوا، تو پھر کیا؟

[۱] علی گوہر کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔ علی گوہر شاہ عالم کا نام تھا۔

سب مُلک، سب جہاں کا سرور ہوا، تو پھر کیا؟

(۲) یا رکھ کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی | پھیری دُہائی اپنی لے ماہ تا بہ ماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی | پھر سر رہا نہ لشکر، نہ تاجِ پادشاہی

دارا و جم، سکندر، اکبر ہوا تو پھر کیا؟

(۳) یا ذات میں کہائے نامی، اصیل، ذاتی | جمشید فر کے پوتے، نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ شلِ دولہ، اور فوج تھی براتی | جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی

مُلک و مکاں، خزانہ، لشکر ہوا، تو پھر کیا؟

(۴) یا راج[1] بنسی ہو کر دُنیا میں راج پایا | چتور گڑھ[2] ستارا[3] کالنجر آبنایا
جب توپ نے اجل کی آمور چا لگایا | سب اُڑ گئے ہوا پر، کوئی نہ کام آیا

گڑھ، کوٹ، توپ، گولہ، سنگر ہوا، تو پھر کیا؟

(۵) کتنے دنوں یہ غُل تھا: نواب ہیں، یہ خاں ہیں | یہ ابن پنج ہزاری، یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال و منصب سب آج اُن کے ہاں ہیں" | دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام، نہ نشاں ہیں

دو دن کا شور و چرچا گھر گھر ہوا، تو پھر کیا؟

(۶) کہتا تھا کوئی: "دیکھو، یہ ہیں امیر خاں[4] جی | اور یہ ہیں خانخاناں اور یہ شیر خاں جی
پنجا اُٹھا قضا کا جب آئے شہر خاں جی | پھر کس کے میر خاں جی کس کے وزیر خاں جی

کیا بات — دارا و جم — فوج و لشکر — لشکر

[1] راج بنسی شاہی خانداں کا آدمی۔ راجہ کے خانداں کا۔ راجپوت قوم کا نام [2] چتور گڑھ اودے پور میں ایک مقام ہے۔ یہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان قائم ہوا جو غایتِ شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب نسب خیال کرتا ہے اور سورج بنسی کے لقب سے مُلقب ہے۔ اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام کی اولاد جانتے ہیں۔ سب سے پہلے چتور گڑھ پر اموں نے حملہ کیا مگر اُس کا حملہ ناکام رہا۔ علاء الدین نے حملہ کر کے اُس پر فتح حاصل کی۔ اس فتح کے بیسیوں قصے بن گئے ہیں۔ اُنھی میں آلا اُودل بھی ہے۔ دوسری فتح اکبر نے حاصل کی [3] ستارا وہ جگہ ہے جہاں مرہٹہ قلعہ جنجی سے بھاگ کر متحصن ہوا تھا۔ مگر اورنگ زیب نے سنہ ۱۷۰۰ء میں بذاتِ خاص اُس کا محاصرہ کر کے چوتھے ہی مہینے فتح کر لیا۔ تاریخِ فتح ستارہ اپریل سنہ ۱۷۰۰ء [4] کالنجر بوندیل کھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ جس کے محاصرے میں شیر شاہ کی جان گئی [5] امیر خاں محمد شاہ رنگیلے کا مُصاحب تھا۔ بادشاہ کا بہت ہی مُنھ چڑھا تھا۔ اس کے [illegible]

عُمدہ، غنی، تونگر، بازر ہوا تو پھر کیا؟

(۷)
کہتا تھا کوئی: "گھوڑا ہے نامدار خاں کا
یہ پالکی، یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا"[۱]
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا
خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
جھپّاں[۲] میگ ڈنبر در پر ہوا، تو پھر کیا؟

(۸)
کہتا تھا کوئی: "یہ ڈیوڑھی ہے خان مہربان کی
یہ باغ، یہ حویلی ہے مُحلّدار[۳] خاں کی"
جب راج لے قضا کی کرنی، بسولی ٹانکی
اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی
رنگیں محل، سُنہرا گھر، در ہوا، تو پھر کیا؟

(۹)
کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا
مُہریں بڑی گھدائیں، سکّہ بڑا بنایا
جب آن کر فنا نے نام و نشاں مٹایا
وہ نام اور سکّہ ڈھونڈھا کہیں نہ پایا
دو دن کا مُہر چھاپا در پر ہوا، تو پھر کیا

(۱۰)
جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا
کر بندوبست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لیکر سند، اجل کا جب فوجدار آیا
اک دن میں حُکم حاصِل سب ہو گیا پرایا
ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۰)
کہتا تھا کوئی: "یہ لشکر ہے طُرّہ باز خاں کا
یہ خیمہ، شامیانہ ہے شہنواز[۴] خاں کا"
آیا کٹک[۵] اجل کے جب یکّہ تاز خاں کا
سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز[۶] خاں کا

کوٹھی ڈیوڑھی — راج نے قضا کے — حکم و حاصل

[۱] ذوالفقار خاں اورنگ زیب کا نہایت ہی چُست و چالاک اور قابل زبردست سپہ سالار تھا۔ ۱۶۹۹ء میں قلعۂ جنجی اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا [۲] جھپّاں ایک قسم کی عماری نما پالکی جس کا سرد پہاڑوں پر رواج ہے [۳] دلّی میں محلدار خاں کا باغ شہر کے باہر چھاونی میں واقع ہے جیسا کہ غالب کے ایک فارسی کے رقعے سے ظاہر ہوتا ہے [۴] شہنواز خاں ناصر جنگ والیِ ریاستِ حیدرآباد کا وزیر یعنی مدار المہام تھا۔ غلام علی آزاد کا مُعاصر علمی قابلیت خاصی رکھتا تھا۔ شعر و سخن سے بھی اس کو اچھا ذوق تھا [۵] کٹک زبان مارواری میں لشکر کو کہتے ہیں [۶] سرفراز خاں شجاع الدّین کا بیٹا اور مُرشد قلی خاں کا پوتا تھا۔ ۱۷۳۹ء میں باپ کا جانشین ہوا۔ نادر شاہ کا حملہ بھی اسی زمانے میں ہوا تھا۔ نادر شاہ جب ہند سے لُوٹ مار کر چلا گیا تو علی وردی خاں صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے لے کر صوبہ داری بنگالہ کی سند حاصل کی۔ حصولِ سند کے بعد فوج لے کر مُرشد آباد پر چڑھ آیا۔ سرفراز خاں گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خاں اُس کی جگہ تخت پر بیٹھا اور خُطبہ سکہ جاری کیا اور حسبِ وعدہ

سردار، میر بخشی بڑھ کر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۲)
ہاتھی پہ چڑھ کے نکلے، یا خاصے گھوڑے اُوپر
یا لے صُراحی حُقّہ دوڑے جلیب[1] اندر
یا نالکی سنبھالی، یا پالکی کی جھالر
جب آ اجل پکاری، صاحب رہا نہ نوکر
آقا ہوا، تو پھر کیا؟ نوکر ہُوا تو پھر کیا؟

(۱۳) اہلِ قلم
یا لے کے اک قلم داں، اور رکھ قلم کو سر پر
جوڑے حساب لاکھوں، پھرے لکھے سراسر
جب عُمر کی کچہری جھانکی قضا نے آکر
پھر آپ نہ قلم داں، کاغذ رہا نہ دفتر
مُنشی، وکیل، دیواں مرمر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۴) محکمۂ قضا
یا لی قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی
محضر، قبالے لکھے، قضیے چکائے شرعی
اِعلام لے قضا کا جب آ فنا پکاری
پھر محکمہ نہ جھگڑا، قاضی رہا نہ مُفتی
کوڑا لبیدہ[2] درّہ در پر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۵) کتوالی صدر عدالت
کتوال بن کے بیٹھا، یا صدر ہو مقرّر
فاسق ڈرے ہزاروں، اور کانپے چور تھر تھر
آیا قضا کا مِردھا[3] جس دم چُھری اُٹھا کر
کُتوالی اور صدارت سب ہو گئی ہوا پر
دو دن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۶) شرافت حسب و نسب
کہتے تھے کتنے: ”ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی
ہم شیخ، ہم مُغل ہیں، ہم ہیں پٹھان، ہاں جی“
جس دم قضا پکاری: ”اب اُٹھ چلو، میاں جی!“
پھر شیخ جی نہ سید، مرزا رہے، نہ خاں جی
ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۷) تجارت
یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت
یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے بہیاں جب کر کے اک اشارت
سب کوٹھی اور دُکانیں کر ڈالیں دم میں غارت
مال اور مکاں، جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا؟

[1] جلو میں۔ [2] لبید (یا لبیدا) بیائے مجہول۔ سونٹا۔ ایک سزا کرنے کا آلہ۔ [3] مردھا اصل میں مردہہ تھا یعنی وہ عہدہ دار جو دس جوانوں پر افسر ہو۔ ایک عہدہ دار جو دیہاتوں میں سرکار کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔

(۱۸) سپہ گری

یا ہو سپاہی بانکا، ترچھا، بڑا کہایا
بل دار باندھ چیرا، طُرّے کو جگمگایا
کھیتوں میں جاکے کُودا، لاکھوں کی تئیں بھگایا
جب مُنھ اجل کا دیکھا، پھر کچھ بھی بن نہ آیا
یکتا، شجاع، بہادر، صفدر ہوا، تو پھر کیا؟

(۱۹)

گھوڑا اُٹھا کے ڈُوبا فوجوں میں ہو دِلاور
مارے تپنچے، بھالے، کھائے کٹار، جمدھر[1]
مارا قضا نے بھالا جب دم فنا کا آکر
پھر مردُمی، شجاعت سب ہوگئی ہوا پر
خود و سلاح، چلتہ، بکتر[2] ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۰) دعات

یا خانہ جنگی لڑکر کھایا بدن میں ٹانکا
مُوچھوں کو تاؤ دے کر سو دُوت دانت بانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا
ٹیڑھا رہا نہ ترچھا، گُنڈا رہا نہ بانکا
تیغا، سپر، قرابیں، جمدھر ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۱) طبابت

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت
مُردوں کے تئیں جلایا، عیسیٰ کی کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں، دھوئی ہر اک کی زحمت
جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقمان یا فلاطوں اگر ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۲) علمِ نجوم

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا
سُورج گہن بچارے، چندر گہن نکالا
بُرج و ستارے باندھے، احکام کو سنبھالا
جب وقت اپنا آیا اُس وقت کو نہ ٹالا
جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا؟

(۲۳) عمل و تعویذ

یا پڑھ کے دو کتابیں، اور علم کرکے حاصل
یا بھُوت، جن اُتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مُقابل
مُلّا رہا نہ سیانا، عالِم رہا نہ فاضل
تعویذ و فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا؟

(۲۴) بید پُران کا علم

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا، یا ہاتھ لے کے مالا
پوتھی بغل میں دابی، زُنّار کو سنبھالا
پُوجا کتھا بکھانی کیا کیا سبد[3] نکالا
کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

[illegible]

[1] جمدھر ایک قسم کا خنجر [2] بکتر ایک قسم کی زرہ جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔ لوہے کی کڑیوں کا بنا ہوا جامہ [3] سبد (اصح شبد) لفظ کو کہتے ہیں۔ نانک پنتھیوں کی اصطلاح میں گیت کو بھی کہتے ہیں

بید و پُران پڑھ کر ماہر ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۵) زہد و ورع

یا زُہد بندگی میں سُوکھا ہو کوئی عابد　　　بیٹھا مُصلّوں اُوپر، ہو مسجدوں میں ساجد
حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مُجاہد　　　پھر بوریا نہ بدھنا، عابد رہا نہ زاہد

روزہ نماز چلّہ اکثر ہوا تو پھر کیا

(۲۶) مے کشی

یا پی کے مے کسی نے کی عیش کامیابی　　　لوٹا نشے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
جس دم قضا نے اپنی جھمکائی[۱] اک گُلابی　　　پھر مے رہی نہ مینا، نہ مست نہ شرابی

اک دم لبوں پہ مے کا، ساغر ہوا تو پھر کیا

(۲۷) عشق و عاشقی

حُسن و جمال پا کر یا خُوب رو کہایا　　　یا عشق میں کسی نے جی جاں کو گھٹایا
آکر پڑا سروں پر جس دم اجل کا سایا　　　دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈھا کہیں نہ پایا

عاشق ہوا، تو پھر کیا؟ دلبر ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۸) پیری مُریدی

یا ہو کے پیرزادے کرنے لگے فقیری　　　کر کر مُرید کتنے، کی اُن کی دست گیری
جب پیرہن کی کفنی آکر اجل نے چیری　　　سب اُڑ گئی ہوا پر دم میں مُریدی پیری

مُرشد، فقیر، ہادی، رہبر ہوا، تو پھر کیا؟

(۲۹) بینوائی

یا سر مُنڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے　　　یا خود منڈے، کھا کر سوڑوپ رنگ کھیلے
سیلے کیے ہزاروں، مُونڈے فقیر چیلے　　　جب آفنا پکاری، جا سورہے اکیلے

تکیہ ہوا، تو پھر کیا؟ بستر ہوا، تو پھر کیا؟

(۳۰) جوگ، تپ

جوگی، اتیت، جنگم[۲]، یا سیوڑا[۳] کہایا　　　یا کھول کر جٹا کو، یا گھونٹ سر مُنڈایا
تِرسول لے قضا کا جب وقت سر پہ آیا　　　نہ باگے لگے کو تھابنا، نہ آپ کو بچایا

نانک، کبیر پنتھی، بھبھر تھر ہوا، تو پھر کیا؟

[۱] جھمکانا چمکانا جھلکانا۔ بھبکانا پانی کھنڈانا۔ پانی گرانا۔ پانی اوندھانا [۲] ایک قسم کا فقیر جس کے سر پر جٹائیں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں گھنٹا [۳] جین مذہب کا فقیر۔

(۳۱) نیکی بدی

یا نیک بن کے بیٹھے، اچھے لگے کہانے
یا ہو کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
آ کر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے
تھے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے
بہتر ہوا، تو پھر کیا؟ بدتر ہوا، تو پھر کیا؟

(۳۲) خاتمہ

کیا ہندو اور مسلماں، کیا رند گبرو کافر
نقّاش کیا مصوّر، کیا خوش نویس، شاعر
جتنے نظیرؔ یاں ہیں اک دم کے ہیں مسافر
رہنا نہیں کسی کو، چلنا ہے سب کو آخر
دو چار دن کی خاطر یاں گھر ہوا، تو پھر کیا؟

نظم نمبر ۹۷

مراتبِ دُنیا محض بے ثبات ہیں

استغنا

"تضمین"

(۱) مقابلہ بادشاہ و فقیر

گر بادشاہ ہو کر عالی محل ہوا، تو کیا ہوا؟
دو دن کا نرسنگا بجا، بھوں بھوں ہوا، تو کیا ہوا؟
غُل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا، تو کیا ہوا؟
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا، تو کیا ہوا؟
گر یوں ہوا، تو کیا ہوا اور دوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۲) سواریاں

دو دن تو یہ چرچا ہوا "گھوڑا ملا، ہاتی ملا"
بیٹھا اگر ہودے اُپر، یا پالکی میں جا چڑھا
آگے کو نقّارہ نشاں، پیچھے کو فوجوں کا پرا
دیکھا تو پھر اِک آن میں ہاتی، نہ گھوڑا، نہ گدھا
گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور دوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۳) پوشاک و فرش و فروش

یا دولت و اقبال ہے، پہنا زری و بادلا
مسند سُنہری دی بچھا، کمخواب کے تکیے لگا
آخر نہ وہ دولت رہی، نہ آپ، نہ وہ گھر رہا
مسند کہیں جاتی رہی، تکیہ کہیں پھرتا پھرا
گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور دوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۴) اسبابِ عیش و بزم

یا عِشرتوں کے ٹھاٹھ تھے، اور عیش کے اسباب تھے
ساقی، صُراحی، گل بدن، جامِ شرابِ ناب تھے
یا بےکسی کے درد سے بے حال تھے بے تاب تھے
آخر جو دیکھا، دوستو، سب کچھ خیال و خواب تھے

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۵) برآمدِ سواری

تھا ایک دن وہ دُھوم کا نکلے تھا جب اسوار ہو
یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وو
ہر دم پکارے تھا نقیب: "آگے بڑھو، پیچھے رہو!"
بس کیا خوشی، کیا ناخوشی، یکساں ہے سب اے دوستو

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۶) شیخی و غرور

جب حشمتوں کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شیخیاں
اور اُڑ گئی دولت یہ، پھر اسباب کے تختے کہاں؟
ہر دم تکبّر کے سخن، ہر آن میں مغروریاں
آ کر فنا حاضر ہوئی، سب مِٹ گئے نام و نشاں

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۷) وفورِ نعمات

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دستر خوان پر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اُوپر دھر نظر
میوے، مٹھائی با مزے، حلوائے تر، شیر و شکر
ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر دربدر

گر یوں ہوا تو، کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۸) وفورِ دولت و فقر

یا دولتوں کا سامنے آ کر تھا ایک دریا بہا
یا ہو کے مُفلس بینوا پھرتا ہے دانے مانگتا
لے کر زمیں تا آسماں دولت میں پھرتا تھا پڑا
جب آ گئی سر پر اجل اک دم میں سب کچھ مِٹ گیا

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا تو کیا ہوا؟

(۹) ناز و نعمت و مُفلسی و احتیاج

گر ناز و نعمت میں رہا، یعنی کہ وہ زردار تھا
یا مُفلسی کے ہاتھ سے مُحتاج ہو در در پھرا
جب وقت سے چلنے کا ہوا، نہ یہ رہا نہ وہ رہا
آیا تھا جس احوال سے، ویسا ہی آخر چل بسا

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۱۰) خوشی و مصیبت

گر اک مصیبت میں رہا اور دُوسرا دل شاد ہے
یا لذّتیں، یا راحتیں، یا ظُلم، یا بیداد ہے
واں عیش و عشرت کے مزے، یاں نالہ و فریاد ہے
کچھ رہ نہیں جاتا، میاں، آخر کو سب برباد ہے

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وَوں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۱۱) سکھ دُکھ

جو عشرتیں آ کر ملیں تو وہ بھی کر جانا، میاں
یا سُکھ میں یا دُکھ میں غرض یاں سے گُذر جانا میاں
جو درد دُکھ آ کر پڑیں تو وہ بھی بھر جانا، میاں
یاں تو چار دن کی زندگی آخر کو مر جانا، میاں

ہاں

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وو٘ں ہوا تو کیا ہوا؟

(۱۲) گریۂ و ماتم فضول ہے

اب دیکھ کس کو شاد ہو، اور کس پہ آنکھیں نم کرے؟
یا دل کو رووے بیٹھ کر یا درد دُکھ کو کم کرے؟
یہ دل بچارا ایک ہے، کس کس کا اب ماتم کرے؟
یاں کا یہی طوفان ہے، اب کس کی جوتی غم کرے؟

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وو٘ں ہوا، تو کیا ہوا؟

(۱۳) رضا و تسلیم

گر تو نظیرؔ، اب مرد ہے تو جال میں بھی شاد ہو
آزادگی بھی دیکھ لے، جنجال میں بھی شاد ہو
دستار میں بھی ہو خوشی، رُومال میں بھی شاد ہو
اس حال میں بھی شاد ہو، اُس حال میں بھی شاد ہو

گر یوں ہوا، تو کیا ہوا؟ اور وو٘ں ہوا، تو کیا ہوا؟

نظم نمبر ۸۰

جو عشقِ صادق سے مست ہیں اُن کو ہر وقت عیش اور مزے ہیں

(۱) وارفتگی و بے نیازی

ہیں عاشق اور معشوق جہاں واں شاہ وزیری ہے بابا!
دن رات بہاریں چُہلیں ہیں، اور عشق صغیری ہے بابا!
نہ رونا ہے، نہ دھونا ہے، نہ دردِ اسیری ہے بابا!
جو عاشق ہوئے سو جانے ہیں، یہ بھید فقیری ہے بابا!

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا!

(۲)

ہے چاہ فقط اک دلبر کی، پھر اَور کسی کی چاہ نہیں
یہاں جتنا رنج و تردّد ہے ہم ایک سے بھی آگاہ نہیں
اک راہ اُسی سے رکھتے ہیں، پھر اَور کسی سے راہ نہیں
کچھ مرنے کا سندیہ نہیں، کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا!

(۳)

کچھ ظلم نہیں، کچھ زور نہیں، کچھ داد نہیں، فریاد نہیں
شاگرد نہیں، اُستاد نہیں، ویران نہیں، آباد نہیں
کچھ قید نہیں، کچھ بند نہیں، کچھ جبر نہیں، آزاد نہیں
ہیں جتنی باتیں دُنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

---

[۱] سندیہ: خوف۔ ڈر۔ تردّد۔ کھٹکا۔

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا؟

(۴)
جس سمت نظر بھر دیکھے ہیں، اُس دل کی پُھلواری ہے
کہیں سبزی کی ہریالی ہے، کہیں پھولوں کی گل کاری ہے
دن رات مگن، خوش بیٹھے ہیں، اور آس اُسی کی بھاری ہے
بس آپ ہی وہ داتاری[۱] ہے، اور آپ ہی وہ بھنڈاری[۲] ہے

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا؟

(۵)
نِت عشرت ہے، نت فرحت ہے، نت راحت ہے، نت شادی ہے
نت مہر و کرم ہے دل بر کا، نت خوبی، خوب مرادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا، ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اک شادی ہے، ہر روز مبارک بادی ہے

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا؟

(۶)
ہے تن تو گل کے رنگ بنا، اور منھ پہ ہر دم لالی ہے
جُز عیش و طرب کچھ اور نہیں، جس دن سے سُرت[۳] سنبھالی ہے
ہونٹوں میں راگ تماشے کا، اور گت پر بجتی تالی ہے
ہر روز بسنت اور ہولی ہے، اور ہر اک رات دِوالی ہے

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا؟

(۷)
ہم چاکر جس کے حُسن کے ہیں، وہ دل بر سب سے اعلا ہے
اُس نے ہی ہم کو جی بخشا، اُس نے ہی ہم کو پالا ہے
دل اپنا بھولا بھالا ہے، اور عشق بڑا متوالا ہے
کیا کہیے اور نظیر آگے؟ اب کون سمجھنے والا ہے؟

ہر آن ہنسی، ہر آن خوشی، ہر وقت امیری ہے، بابا!
جب عاشق مست فقیر ہوئے، پھر کیا دلگیری ہے بابا؟

[۱] داتار داتاری داتا تینوں ایک معنی رکھتے ہیں۔ دینے والا۔ مُعطی۔ رزّاق۔ جواد۔ کریم۔

[۲] بھنڈاری خزانچی۔ میر سامان۔

[۳] سُرت ہوش۔

نظم نمبر ۱۸

بخل[۱] کی بُرائیاں

(۱)
زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی، بابا! — دُکھ اُس میں تری رُوح بہت پاوے گی، بابا!
ہر کھانے کو، ہر پینے کو ترساوے گی، بابا! — دولت جو ترے یاں ہی نہ کام آوے گی، بابا!
پھر کیا ب تجھے اللہ سے ملواوے گی، بابا؟

جانے گی — پانے گی — ترسانے گی — آنے گی

(۲)
دولت جو ترے پاس ہی، رکھ یاد تو یہ بات — کھا تو بھی، اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے رہے اُس کے ترا اونچا سدا ہات — اور یاں بھی تری گذرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی، بابا!

(۳)
دولت کی یہی خوبی ہی سو نعمتیں کھا ڈال — کمخواب پہن، بادلہ اوڑھا اور بنا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارات بنا ڈال — اک دم تو بھلا خلق میں دریا سا بہا ڈال
پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلاوے گی، بابا!

(۴)
داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی — چڑھتی ہی پہاڑوں کے اُپر ناو سخی کی
اور تُو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناو یہ ڈبواوے گی، بابا!

(۵)
دولت جو ترے گھر میں یہ اب پھولے ہی جوں گھول — مردود بھی یہ کرتی ہی اور کرتی ہی مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یہاں سے یہ مجہول — زنہار، خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خندی ترے ساتھ نہیں جاوے گی، بابا!

(۶)
یہ ++ بُرائی ہی، نہ آ اس کے تو چھل میں — آج اس کی بغل میں ہی، تو کل اُس کی بغل میں
ٹھنڈک نہیں پڑنے کی کبھی اس کے تو جھل[۲] میں — جب تن سے تری جان نکل جاوے گی پل میں
تو جاوے گا اور یہ نہیں رہ جاوے گی، بابا!

[۱] اس نظم کا مشہور لقب "فقیروں کی صدا" ہو اس وجہ سے کہ اکثر فقرا اسی کی بدولت کچھ مانگ کھاتے ہیں [۲] خواہشِ نفسانی۔

(۷)
گر نیک کھاتا ہے کر اس جا سے کچھ احسان ۔۔۔ ہندو کو کھلا پوری، مسلمان کو کھلا نان
کھا تو بھی اسے شوق سے، اور عیش پہ رکھ دھیان ۔۔۔ تو اُس کو نہ کھاوے گا، تو یہ بات یقیں جان
اک روز یہ خندی تجھے کھا جاوے گی، بابا!

(۸)
اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا ۔۔۔ بیٹوں کو، رفیقوں کو، عزیزوں کو کھلا جا
سب رو برو اپنے اسے عشرت میں اُڑا جا ۔۔۔ پھر شوق سے ہنستا ہوا جنّت کو چلا جا
ورنہ تجھے پھر دُکھ میں یہ پھنسواوے گی، بابا!

(۹)
گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جان ۔۔۔ اور تیری سُنے گا وہ بخیلی کی سی گذران
جب کھینچ بُلاوے گا لگا کر کوئی طوفان ۔۔۔ تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
یہ دوست ہی دُشمن تیری ہو جاوے گی، بابا!

(۱۰)
کہوے گا کوئی اس کے تئیں باندھ کے لٹکا ۔۔۔ کہوے گا کوئی تو بڑا مُنہ اس کے میں جُھوا
کہوے گا کوئی کپڑے بھی سب اس کے اُتروا ۔۔۔ سو ذلّت[۱] وخواری سے تجھے دیکھ کے پھرتا
بندھواوے گی، اور مار بھی کھلواوے گی، بابا!

(۱۱)
اور جو کبھی حاکم نے نہ پُوچھا ترا احوال ۔۔۔ تو چور چُرا لیوے گا، یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ تو پھر ہووے گا یہ حال ۔۔۔ قسمت سے تری جب کبھی آجاوے گا بھونچال
پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جاوے گی، بابا!

(۱۲)
یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے، نہ رہے گی ۔۔۔ جو اَوروں سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑھی ہے، سو گھٹے گی ۔۔۔ جب تک تو جیے گا یہ تجھے چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی، بابا!

(۱۳)
جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا ۔۔۔ اَور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
جب اُس میں تو اٹکے گا، نہ دم نکلے گا پھڑکا ۔۔۔ کپّوں میں روپے ڈال کے جب دیویں کے کھڑکا

سا اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا

[۱] یعنے بعد تشہیر کامل۔

تب تن سے تری جان نکل جاوے گی، بابا!

(۱۴)
تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا
ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
وہ ناچ، مزہ دیکھے گا، اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں گھبراوے گی، بابا!

(۱۵)
اُس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی
اور رُوح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
تا حشر تری رُوح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی، بابا!

(۱۶)
جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پلے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا
تو قبر میں رہ رہ کفِ افسوس ملے گا
بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کٹواوے گی، بابا!

(۱۷)
جاوے گا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ، واللہ
ساقی، و صراحی، و پری زاد کے ہمراہ
جب دیکھے گا سو عیش میں تو اُس کے تئیں آہ!
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی، بابا!

(۱۸)
تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے میں اُتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا
تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا سُلگا کے کوئی ہار، فلیتا
دُھونی بھی تری ناک میں دلواوے گی، بابا!

(۱۹)
گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام
تھوکے گا کوئی کہہ کے، کوئی دوے گا دُشنام
اس کام کا آخر کو بُرا ہوتا ہے انجام
زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام
پیزاریں ترے نام پہ لگواوے گی، بابا!

(۲۰)
کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں سب تجھے ہر آن
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان
گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹھ تو مت جان
جیسا ہی اُسے اس نے کیا خوب پریشان